

خوں ایجاد



خطرے کی بو

محمود، فاروق اور فرزانہ پروفیسر داؤد کے گھر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کرسیوں پر شائستہ اور پروفیسر موجود تھے۔ آج پروفیسر صاحب نے شائستہ کے کہنے پر انہیں شام کی چائے پر بلایا تھا۔ ابھی چائے نہیں آئی اور وہ اس وقت باتوں پر رہے تھے۔

انکل! آج کل آپ کس چیز پر تجربات کر رہے ہیں۔ محمود کہہ رہا تھا۔

ان دونوں میں چھٹی پر ہوں اور سوچ رہا ہوں، اب کیا کروں؟ پروفیسر نے جواب دیا۔

جی ! کیا مطلب..... آپ چھٹی پر ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ

کسی کے ملازم نہیں۔ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

ہاں! بے شک کسی کا ملازم نہیں کسی چیز پر کوئی تجربہ نہیں کر رہا، نہ ہی کوئی ایجاد کرنے کے موڑ میں ہوں، بس آرام کرتا رہا ہوں اور جب میں آرام کرتا ہوں تو خود کو چھٹی پر خیال کرتا ہوں۔ پروفیسر داؤد بولے۔

بہت خوب! آپ نے بہت دنوں سے ہمارے لیے کوئی چیز نہیں بنائی، ہمارے پاس جو چیزیں ہیں، وہ بہت پرانی ہو چکی ہیں اور جرام پیشہ لوگ ان سے واقف ہو چکے ہیں اور وہ بچاؤ کی ترکیب کر لیتے ہیں، اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ کچھ نئی قسم کی چیزیں ہمارے لیے بنادیں۔ فاروق نے فرمائش

اچھی بات ہے ، چھٹی ختم ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کروں گا۔ پروفیسر مسکرائے۔

اور آپ کی چھٹی کب ختم ہو گی۔ فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔
 کچھ کہہ نہیں سکتا، یہ چھٹی اج اور اسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے، دو دن بعد بھی ختم ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ماہ یا ایک سال تک ختم نہ ہو۔ وہ کہتے چلے گئے۔

اوہ! یہ عجیب چھٹی ہے۔ فاروق کے منہ سے نکلا۔

یار کبھی تو سوچ سمجھ کر بول لیا کرو، بھلا چھٹی بھی عجیب ہو سکتی ہے۔ محمود جھلا کر بولا۔

عجیب ہی نہیں، غریب بھی ہو سکتی ہے، کم از کم پروفیسر انگل کی ضرور عجیب و غریب ہے۔ فاروق مسکرایا۔

ہاں! فاروق ٹھیک کہتا ہے، دراصل یہ چھٹی میرے موڈ کی چھٹی ہے، ان دنوں کام کرنے کا موڈ نہیں ہے، جب بھی موڈ بن گیا، چھٹی ختم۔

کاش! ہم بھی ایسا چھٹیاں کرنے کے قابل ہوتے۔ فاروق نے آہ بھری اور شاسترے بے ساختہ مسکرائی۔

تم تو ٹھہرے کام چور۔ فرزانہ بولی۔ گویا اس طرح چھٹیاں کرنے والے کام چور ہوتے ہیں تو پھر پروفیسر انگل فاروق کہتے کہتے رک گیا اور فرزانہ جھینپ کر رہ گئی۔ پروفیسر داؤد نے ایک قہقہہ لگایا۔

بہت اچھے! تم نے مجھے بھی کام

چور ثابت کر دیا۔ انہوں نے کہا۔

یوں تو ہم ہر روز ہی کچھ نہ کچھ ثابت کرنے کے چکر میں رہتے ہیں لیکن کم از کم یہ بات ثابت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فاروق بولا۔

بہت شری ہو گئے ہو۔ پروفیسر بنے۔
جی نہیں تو سماں معمولی سماں ہوں، آپ لوگ اسے ہی بہت سمجھے بیٹھے ہیں تو یہ آپ مہربانی ہے۔
بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔
لو چائے آ گئی۔ شائستہ بول اٹھی۔
انہوں نے دیکھا ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا چلا آ رہا تھا۔
آپ لوگ تو اس طرح خاموش ہو گئے جیسے چائے آنے کے بعد بولنا منع ہو۔ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔
ہاں واقعی چائے آ رہی ہے،

کوئی بھوت تو نہیں آ رہا ہے۔ محمود
بولا۔

بھوت سے تو ہم ضرور ہی ڈرنے
والے ہیں۔ فاروق بولا۔

لو بھی شائستہ یہ تو چائے سے
بھوت تک جا پہنچ پروفیسر پونے۔
تو آپ کیا چاہتے ہیں، ہم چائے
سے کہاں تک جا پہنچیں، فاروق نے
پوچھا۔

کم از کم چاند تک تو جانا ہی
چاہیے۔ محمود نے جملے کئے لبھ میں
کہا۔

شاید تمہیں میری باتیں زہر لگ رہی
ہیں۔ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

وہ تو ہمیشہ ہی لگتی ہیں، آج کوئی
نہیں بات نہیں۔ فرزانہ بول اٹھی۔

تو پھر اس کا بہترین طریقہ یہ ہے

خوں ایجاد تحریر: اشتیاق احمد انگلز جمیلہ سرین
کہ جب میں باتیں کروں ، تم اپنے
کان بند کر لیا کرو۔ فاروق نے انہیں
ترکیب بتائی۔ یہ ترکیب بھی ناکام رہے
گی، فرزانہ نے جواب میں کہا۔ وہ
کیسے؟

تمہاری آواز اتنی تیز ہے کہ کان
بند کرنے کے بعد بھی کسی نہ کسی
طرف سے سنائی دے ہی جائے گی۔
محمود بولا۔
تب پھر تم اپنے کان اکھڑوا
کچنیک دو، نہ رہے گا باس نہ رہے
گی بانسری۔ فاروق نے دوسری ترکیب
بتائی۔

آج کیا بات ہے، ترکیبیں بتانے میں
بہت آگے جا رہے ہو، جب کہ یہ
کام فرزانہ کا ہے۔ محمود کے لمحے میں
حیرت تھی۔

شاید رات میں نے فرزانہ کو خواب میں دیکھ لیا ہو گا۔ فاروق مسکرایا۔ اس کی بات پر پروفیسر داؤد، شائستہ اور محمود کھل کھلا کر ہنس پڑے، فرزانہ کا منہ بن گیا۔

میں تو ہر وقت تمہارے سامنے موجود رہتی ہوں، خواب میں دیکھنا کوئی ضروری تو نہیں۔ اس نے جل کر کہا۔ جل بھن کر بات نہ کیا کرو، خون کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے، محمود نے گویا نصیحت کی۔

فاروق کی باتیں سننے کے بعد بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو جلنے بھننے سے محفوظ رہ سکیں۔ فرزانہ بولی۔

میں باتیں کرتا ہوں، کوئی کوئلے نہیں دہکاتا۔ فاروق نے برا سا منہ بن کر کہا۔

وہ تو ہم جانتے ہیں ، تم قلعی گر
نہیں ہو؟ محمود ہنسا۔

بہت بہت شکریہ بھائی جان! فاروق
شوخ لمحے میں بولا۔

بھائی کچھ چائے اور دوسری چیزوں کی
طرف بھی توجہ دو۔ پروفیسر مسکرا کر
کہا۔

اگر آپ یہ چانتے ہیں کہ ان
چیزوں کے ساتھ انصاف کریں تو یونہی
سہی، ویسے ہمارے ارادہ تھا، آج باتوں سے
ہی پیٹ بھر لیں گے اور اس طرح
آپ کا ناشتا بچ جائے گا فاروق نے
کہا۔

یہ چیزیں تو تیار ہو چکی ہیں اگر
کھائی نہ گئیں تو ضائع ہو جائیں گی،
شاستہ بولی۔

بہت بہتر آؤ بھائی، ذرا باتوں

میں بردیک لگا کر پہلے شام کا ناشتا کر لیں۔

انہوں نے کھانے کی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ پاس رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے چونک کر فون کی طرف دیکھا جیسے بہت بے وقت آیا۔ پروفیسر داؤد ہاتھ بڑھا کر ہیلو! پروفیسر داؤد بول رہا ہوں۔ انہوں نے کہا۔

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے، ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوتے نظر آئے اور پھر انہوں نے جلدی سے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

میرے ایک بہت ہی گھرے دوست نے مجھے بلایا ہے، وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہا ہے اور اس سلسلے میں

مجھ سے ملنا بہت ضروری خیال کرتا ہے،
تم لوگ ناشتا کرو، میں جلد آنے کی
کوشش کروں گا، لیکن ہو سکتا ہے،
مجھے دیر ہو جائے، خیر تم پریشان مت
ہونا۔

یہ کہہ کر بہر لیبرلبری کی طرف
دوڑے، محمود نے ان کے پیچے پیکتے
ہوئے پوچھا۔
آپ کے دوست کا نام کیا ہے؟
”پروفیسر ذاکر“
یہ کہتے ہوئے پروفیسر داود گیراج کی
طرف دوڑتے چلے گئے۔



کیا تم پروفیسر ذاکر کے بارے میں
کچھ جانتی ہو شائستہ؟ ان کے جانے کے
بعد محمود نے پوچھا۔

ہاں! انکل ذاکر بھی ہمارے ملک کے
بہت اچھے سامنے دان ہیں، انہوں نے
ملک کے لیے بہت سی مفید چیزیں
کی ہیں، وہ اباجان کے بہت گھرے
دوست ہیں اور وہ اکثر ان سے ملنے
کے لیے جاتے رہتے ہیں، انکل ذاکر بھی
ہمارے ہاں آتے رہتے ہیں، کئی بار میں
ان کے ہاں جا چکی ہوں۔ تم اور کیا
معلوم کرنا چاہتے ہو۔ شائستہ رکے بغیر
کہتی چلی گئی۔

ان کے بارے میں سب کچھ بتا دو
، وہ کہاں رہتے ہیں، ان کی تجربہ
گاہ کہاں ہے ان کے ساتھ اور کون

کون رہتا ہے محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

لو فرزانہ محمود پر تو سوار ہو گیا بھوت جاسوسی کا۔ فاروق نے منه بنایا۔

تو لوں کیا اس میں کچھ لینے اور دینے مسکرائی۔
کی گنجائش کہاں ہے۔ فرزانہ تم جلدی بتاؤ، ان دونوں کی عادت ضائع کرنے کا۔
کو ہے۔
شائستہ تو وقت محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

وہ گرین ٹاؤن کے آخر میں رہتے ہیں، وہاں آبادی بہت کم ہے، ان کی تجربہ گاہ اور رسد گاہ بھی وہیں
ان کے ساتھ ان کا ایک لڑکا عاطف اور دو ملازم صابر اور کریم رہتے ہیں۔
ان کے استٹمنٹ کا نام ریاض شاہد ہے

جو صحیح سے شام تک ان کے ساتھ رہتا ہے، البتہ رات کو اپنے گھر چلا جاتا ہے، ان کے دو عین اسٹنٹ اور بھی ہیں، ان کے نام مجھے معلوم نہیں، خاص اسٹنٹ ریاض شاہد ہی ہے۔

یہ بھی بتا دو، کس عمر کے آدمی ہیں، شکل صورت کیسی ہے۔ ”تقریباً بوڑھے“ لفظ پوچھا۔ ”ڈیڈی کی عمر کے جلدی سے“ ایک بھی بال نہیں، چہرے پر بڑی سی سفید داڑھی ہے، آنکھیں نیلے رنگ کی اور بڑی بڑی ہیں، قد لمبا اور جسم پتلہ دبلا۔ شائستہ بتاتی چلی گئی۔

بہت خوب! اور اب ہم پروفیسر ذاکر کے ہاں چلیں گے،“ محمود نے کہا۔

یہ کیا بات ہوئی ، بھلا ہمیں وہاں

جانے کی کیا ضرورت ہے۔ فاروق نے
تلما کر کہا۔

وہ پریشان ہیں اور انہوں نے انگل
کو بلایا ہے، اس طرح انگل بھی پریشان
ہو سکتے ہیں، ہم یہ دیکھیں گے کہ ان
کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ محمود نے
کہا۔

ہو سکتا ہے، وہ کسی ایجاد کے سلسلے
میں پریشان ہوں، فارمولہ فٹ نہ بیٹھ رہا
ہو، اس میں کوئی کسر رہ گئی ہو
ان حالات میں بھلا ہم کیا کر سکیں
گے۔

پھر بھی ہمیں چل کر معلوم تو
کرنا چاہیے۔ محمود نے کہا۔

تم ہی جا کر معلوم کر لو، میں
اور فرزانہ تو شاستہ سے باتیں کریں
گے۔

تم اپنے ساتھ فرزانہ کو نہیں گھیٹ سکتے۔ محمود بھنا اٹھا۔

ارے ارے میں کب اس بے چاری کو گھیٹ رہا ہو، یہ تو آرام سے کری پر بیٹھی ہے۔ فاروق بوکھلا کر بولا۔

نداق نہ کرو، ابھی فرزانہ نے اپنے منہ سے سکھ نہیں کہا، ہو سکتا ہے وہ میرے ساتھ جانے پر رضا مند ہو۔ محمود بولا۔

اچھی بات ہے تو پھر فرزانہ کی مرضی معلوم کر لیتے ہیں، ہاں تو فرزانہ تم کیا کہتی ہو، محمود کے ساتھ پروفیسر ذاکر کے ہاں جاؤ گی یا یہیں بیٹھ کر مزے مزے کی باتیں کرو گی۔ فاروق نے پوچھا۔

میں سوچ رہی ہوں کہ کس کا

ساتھ دوں اگر پروفیسر ذاکر پریشان ہیں تو اس کا مطلب ہے ، پروفیسر انکل بھی پریشان ہوں گے اور ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے ہم کچھ کر سکتے ہیں تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری اس حرکت کو پروفیسر انکل پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں اور ہم سے ناراض ہو جائیں۔ فرزانہ کہتی چلی گئی۔

ناراض تو خیر وہ نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ بات اچھی طریقے سے ہیں کہ ہم انہیں پریشان نہیں دیکھ سکتے۔ محمود نے جواب دیا۔

ہاں! یہ بات بھی ہے، خیر تو پھر میں ایک تجویز پیش کرتی ہوں۔ فرزانہ بولی۔

یہ تو تمہاری پرانی عادت ہے۔ فاروق
نے جل کر کہا۔

سنوا! ہم وہاں جا کر تجربہ گاہ اور
رہائش حصے کا خاموشی سے جائزہ لیں گے
، اگر حالات پرسکون ہوئے تو واپس آ
جائیں گے ، ورنہ *Heribor Library* میں گے۔

بہت خوب شکریہ فرزانہ
تم بہت عقل مند ہو۔ باہ تو فاروق
کیا کہتے ہو۔
میں اگر چہ بہت عقل مند نہیں
ہوں۔ تاہم اس موقع پر پچھے رہنا پسند
نہیں کروں گا..... چلو چلیں۔ فاروق نے
سمسی صورت بنایا اور شائستہ مسکرا
دی۔

انہوں نے شائستہ سے پروفیسر ذاکر کا
پورا پتا معلوم کیا، اس سے اجازت لی
اور کوٹھی سے نکل کر مرڈک پر آ

گئے۔

گرین ٹاؤن بہت دور تھا اور وہ
لیکسی کے بغیر نہیں جا سکتے تھے، خوش
قسمی سے بہت جلد انہیں ایک لیکسی مل
گئی اور وہ روانہ ہو گئے۔ جس وقت
گرین ٹاؤن میں داخل ہوئے، سورج
غروب ہو رہا تھا اور یہ شدید سردی
کے دن تھے، لوگ شام ہی سے گھروں
میں دبک گئے تھے اور گرین ٹاؤن تو
یوں بھی بہت کم آباد علاقے تھا اور
پھر پروفیسر ذاکر کی کوئی تو بالکل ہی
آخری سرے پر واقع تھی، چنانچہ جب
ان کی لیکسی کوئی کوئی کے سامنے رکی تو
چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا، یوں
گلتا تھا جیسے آدمی رات کا سماں ہو،
حالانکہ ابھی صرف مغرب کا وقت ہو اتنا
اور لوگ مسجدوں میں مغرب کی نماز ادا

کر رہے تھے۔

گرین ٹاؤن آنے کے چکر میں آج
ہم مغرب کی نماز ادا نہیں کر سکے۔
فاروق نے افسوس زدہ لمحے میں کہا۔

ہاں! اور یہاں دور دور تک کوئی
مسجد بھی نظر نہیں آ رہی۔
خیر آؤ شاید ہم پروفیسر ذاکر
کے گھر میں ادا سکیں۔
کر محمود آگے بڑھا اور پھر ٹھٹھک
رک گیا اندرونی صرف ایک کمرے میں
روشنی نظر آ رہی تھی، باقی حصہ
تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

کیا بات ہے، تم رک کیوں گئے۔
مجھے عجیب سا احساس ہوا ہے۔
اور وہ احساس کیا ہے؟ فرزانہ نے
بے چین ہو کر کہا۔
یوں لگتا ہے جیسے کوئی میں کوئی

بھی شخص موجود نہ ہو۔ اس نے کہا ،
چہرے پر ہوا یاں اڑتی نظر آئیں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے ، ہم سے
پہلے ہی تو پروفیسر انگل یہاں کے لیے
روانہ ہو چکے ہیں۔ فاروق بولا۔

لیکن پورچ میں ان کی کار نظر
نہیں ۲ رہی۔ اب کہو کیا کہتے ہو۔ یہ
کہہ محمود فاروق کو گھونٹنے لگا۔

اب میں کیا کھوں، سب کچھ تو
تم کہہ چکے ہو۔ فاروق نے منہ بنایا۔

اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی
راستہ نہیں کہ ہم کوئی کے اندر داخل
ہو جائیں۔ محمود بولا۔

راستے تو کوئی ہیں، ہم چپ چاپ
واپس جا سکتے ہیں اور سب سے پہلے یہ
معلوم کریں گے کہ پروفیسر انگل واپس
گھر تو نہیں پہنچ چکے، اگر نہیں تو ہم

ابا جان کو فون کر سکتے ہیں، پھر وہ
یہاں پہنچ کر خود ہی حالات کا جائزہ
لے لیں گے اور اس طرح ہم اس
معاملے سے صاف الگ ہو جائیں گے۔
فاروق نے کہا۔

تم تو ہر معاملے سے ہی الگ رہنے
کی سوچا کرو، جب کہ یہ معاملہ مجھے
حد درجے پر اسرار لگ رہا ہے۔
تلما کر بولا یہ مجھے حد درجے
لگنے والے معاملے ذرا پسند نہیں۔
فاروق نے منہ بنایا۔

تو تم یہیں ٹھہرو، میں اور فرزانہ
اندر سے ہو آتے ہیں۔ ہاں! یہ ٹھیک
رہے گا، یہ حضرات ساتھ ہوں گے،
تب بھی وقت ضائع کریں گے۔ فرزانہ
نے جلدی سے کہا۔

گویا میں صرف وقت ضائع کرتا ہوں

اور تم صرف وقت سنوارتے ہو، جاؤ سنوارو جا کر۔ فاروق نے بھی جھنجھلا کر کہا۔

اور وہ دونوں کوٹھی کے اندر داخل ہو گئے۔ فاروق انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہ کی، اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ ناق رہی تھی۔ پھر جو نبی وہ اس کی نظر وہ اوجھل ہوئے، وہ تیزی سے کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھا۔



کتا روتا ہے

گیٹ میں داخل ہونے کے بعد وہ
روش پر چلتے ہوئے صدر دروازے پر
پہنچ۔ محمود نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی
رکھ دی، دور کہیں گھنٹی بجھنے کی آواز
سنائی دی، ساتھ ہی کسی کتنے کے
رونے کی آواز ابھرنے لگی، کتا بہت
خوفناک آواز میں رو رہا تھا، ان
رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

فرزانہ اندر تو کتا بھی بھی ہے۔ محمود
نے جلدی سے کہا۔

تو کیا ہوا؟ فرزانہ لاپرواں سے
بولی۔

کہیں وہ ہم پر جھپٹ نہ پڑے۔
محمود بولا۔

سوال تو یہ ہے کہ وہ رو کیوں
رہا ہے، پروفیسر ذاکر اندر کس حال میں

ہیں اور پروفیسر انگل کہاں چلے گئے۔
فرزانہ کہتی چلی گئی۔

میں ان سوالات کے جوابات نہیں دے سکتا، کیونکہ کوئی نجومی نہیں ہوں، ہاں اندر چل کر حالات دیکھ کر ضرور جواب دے سکوں گا۔ محمود نے کہا۔

فاروق کے انداز میں باتیں نہ کرو۔

اچھا ہو گا، اب بور نہ کرو نہ
جانے یہ دروازہ کب کھلے گا۔ فرزانہ
نے برا سا منہ بنایا۔

جب خدا کو منظور ہو گا، کھل جائے گا۔ محمود نے ٹھنڈی سانس بھری۔ شاید فاروق اسی خیال کے پیش نظر ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ فرزانہ نے کسی

خیال کے آنے پر کہا۔

کیا مطلب ، بھلا وہ کیوں نہیں آیا۔

اس نے سوچا ہو گا۔ ہم دروازے پر کھڑے جھک مارتے رہ جائیں گے اور وہ پچھلی طرف سے کسی پاپ کے راستے داخل ہو جائے گا۔

اوہ! چلو خیر یہ اور اچھا ہے ، ہو آ کر دروازہ کھول دے گا۔

محمود نے خوش ہو کر کہا۔ یہ ضروری نہیں، وہ ہماری بے بسی

پر مسکراتا ہوا پہلے اندر کا جائزہ لے گا

اور پھر دروازہ کھولنے آئے گا، اس وقت تک شاید ہم بوڑھے ہو جائیں۔

فرزانہ نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے کہا۔

لیکن ابھی تو ہم جوان بھی نہیں

ہوئے، یک دم بوڑھے کس طرح ہو جائیں گے۔ محمود کے لمحے میں حیرت تھی۔

پھر تم نے فاروق کے انداز میں بات کی۔

آخر آج تم فاروق کے پچھے کیوں پڑ گئی ہو، اس نے کیا کیا ہے؟

میں نہیں، تم اس کے پچھے پڑ گئے ہو۔ فرزانہ نے تسلیم کر کہا۔

مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم میرے پچھے پڑ گئی ہو اور اس کے بھی، کیا میں دوبارہ گھنٹی بجاوں۔ محمود نے تنگ ۲ کر کہا۔

ہاں! ضرور بجاو لیکن میں جانتی ہوں ، کچھ نہیں ہو گا، تمہارا خیال درست تھا۔

کون سا خیال؟

یہ کہ اندر کوئی نہیں ہے اور اب میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اندر واقعی کوئی شخص موجود نہیں ہے۔

تو کیا کوئی خالی پڑی ہے۔

بالکل یہی بات ہے۔ اس نے کہا۔

سوال یہ کہ ان حالات میں ہم کیا کریں۔

ہم اندر جائیں گے دروازے کو دھکیل کر دیکھو، کسی کھڑکی کو آزماؤ، کہیں فاروق اندر کوئی گڑبوٹ نہ کر دے۔ فرزانہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اچھی بات ہے۔

یہ کہہ کر محمود نے دروازے پر دباؤ ڈالا اور پھر چونک کر بولا۔
ارے! دروازہ تو کھلا ہے۔

کھلا ہے تو پھر بسم اللہ کرو۔
 فرزانہ جلدی سے بولی۔ بسم اللہ!
 محمود نے کہا اور اندر داخل ہو گیا،
 فرزانہ اس کے پیچھے تھی، دروازے کے
 بعد ایک تنگ سی راہداری تھی، جس میں
 دو آدمی مشکل سے ساتھ چل سکتے
 تھے۔ راہداری کے دونوں طرف کروں کے
 دروازے تھے، سب کمرے تاریک
 پڑے تھے، راہداری کے آخری سرے پر
 ہاتھ ایک کمرے کے شیشہ روشن تھے
 اور راہداری کے اس سرے کے بعد باعثیں
 ہاتھ چھٹ پر جانے کے لیے زینہ تھا۔
 وہ روشن کمرے کے سامنے پہنچ کر رک
 گئے۔ پہلے دروازے میں کوئی جھری تلاش
 کرنے کی کوشش کی، لیکن اس شاندار
 کوٹھی کے دروازے میں جھری کھاں ہوتی،
 باعثیں باعثیں کھڑکیاں ضرور تھیں اور ان

میں انہیں شیشے بھی نظر آئے، لیکن
جب انہوں نے شیشوں میں سے جھانکنا
چاہا تو انہیں معلوم ہوا، وہ ایسے شیشے
تھے، جن میں سے اندر تو دیکھا جا سکتا
تھا، باہر نہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے
کی طرف دیکھا اور آخر کمرے کے اندر
داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ محمود نے
دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ
چلا

دونوں نے اندر قدم رکھے اور پھر
ساکت رہ گئے، پاؤں فرق پر اس طرح
جم کر رہ گئے جیسے اب زندگی بھر
کبھی نہ اٹھیں گے۔



فاروق نے کوٹھی کے پیچے پیچ کر دیوار پر نظر ڈالی، ایک پاپ چھت تک جا رہا تھا، اس کا چہرہ کھل اٹھا، جوتے اتار کر اس نے کوت کی جیبوں میں ٹھونے اور پاپ پر چڑھنے لگا۔ پاپ کے برف کی طرح سرف تھا اور اس کے ہاتھوں کو شل کے دے رہا تھا، جلد ہی اسے یوں لگنے لگا جیسے اس کے ہاتھ بھی برف کے ملن گئے ہوں، لیکن وہ بھی فاروق تھا، ہمت ہارنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ آخر منڈیر تک پیچ ہی گیا۔ پہلے اس نے ایک ہاتھ پاپ سے ہٹا کر منڈیر پر جمایا اور پھر دوسرا، دونوں ہاتھوں پر اوپر اٹھتے ہوئے اس نے اپنا آدھا دھڑ منڈیر پر ڈال دیا اور ہانپنے لگا، اگر سردی اس غصب کی نہ

پڑ رہی ہوتی تو اس پاپ پر چڑھنا اس کے باعث میں ہاتھ کا کھیل تھا۔ چند لمح تک سانس لینے کے بعد وہ چھٹ پر اتر گیا۔ یہاں بھی ہر طرف تاریکی تھی۔ اس نے جب سے پہل ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی چھٹ پر ڈالی، پوری چھٹ صاف تھی، البتہ اس کے اوپر ایک اور لوہے کا زینہ بننا تھا گنبد نما عمارت تک جا رہا تھا، وہ سمجھ گیا کہ یہ ضرور پروفیسر ڈاکٹر کی تجربہ گاہ ہے، تجربہ گاہ تاریک تھی، لیکن اچانک اس نے تجربہ گاہ کے اندر روشنی کی ایک کرن چمکتی دیکھی اور وہ حیرت زده رہ گیا۔ روشنی کی کرن فوراً ہی غائب ہو گئی۔ اس کی نظریں تجربہ گاہ کے شیشوں پر جم کر رہ گئیں، چند لمحوں کے بعد ایک بار پھر روشنی جعلکی،

اب تو اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اس نے سوچا، تجربہ گاہ کے اندر ضرور آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے، کیوں نہ میں بھی اس کھیل میں شریک ہو جاؤں، یہ سوچ کر وہ نیچے کے جانے کے خیال کو دل سے نکال کر تجربہ گاہ تک جانے والے زینے کی طرف بڑھا، وہ بھول گیا کہ محمود فرزانہ کو نیچے چھوڑ آیا ہے اور نہ جانے ان پر کیا بیت رہی ہو، اس وقت تو اسے صرف اور صرف تجربہ گاہ میں نظر آنے والی روشنی یاد رہ گئی تھی۔

لوہے کے زینے پر چڑھتے ہوئے اس کا دل دھک کر رہا تھا، کیونکہ حالات انتہائی عجیب و غریب تھے، وہ تو پروفیسر داؤد کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے دوست پروفیسر ذاکر کا فون آ گیا،

وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ سوال تو یہ تھا کہ کیا پروفیسر داؤد جیسے پتلے دلبے آدمی ان کی حفاظت کر سکتے تھے، آخر انہوں نے پروفیسر داؤد کو ہی کیوں بلا�ا تھا، اگر کوئی خطرہ ہی محسوس کر رہے تھے تو پولیس کو بلانک چاہیے تھا اور کوٹھی کے حالات دیکھنے کے بعد یہ بات ثابت ہو بالکل ٹھیک تھا کہ ان کا خیال باقاعدہ خطرے میں ہے، لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ یہاں پروفیسر داؤد کے آنے کے کوئی آثار نہیں پائے گئے تھے، ان کی کار باہر موجود نہیں تھی، یوں گلتا تھا جیسے وہ یہاں تک پہنچے ہی نہیں تھے، تو پھر وہ کہاں چلے گئے، ان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور اب یہاں تجربہ گاہ میں کیا ہو رہا

تھا۔

اس قسم کے اور نہ جانے کتنے سوال فاروق کے ذہن میں ابھرتے رہے اور وہ لوے کا ٹھنڈا زینہ چڑھتا رہا، یہاں تک کہ تجربہ گاہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ کافی بڑا تھا اور فاروق نے محسوس کیا، مضبوط بھی بہت ہو گا، اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا اور اس کا ہاتھ ویس کا ویس رہ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اندر کوئی ہے وہ کون ہے اور اندر ہے میں کیا کر رہا ہے۔ یہ فاروق کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا، شاید اندر موجود شخص بھی پسل ٹارچ سے کام لے رہا تھا، فاروق نے سوچا، مجھے تجربہ گاہ کا بھی ایک چکر لگانا چاہیے۔ شاید اندر داخل ہونے

کی کوئی صورت نظر آجائے۔ اس نے چکر لگایا، اور پھر مایوس ہو کر دوبارہ دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا، کیونکہ گنبد نما اس عماعت میں کھڑکیاں ضرور موجود تھیں، لیکن سب کی سب اندر سے بند تھیں اور اندر کی طرف شیشون والی تھیں، لوہے کی ایک بیٹھی اور پر گنبد تک ضرور جا رہی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ اگر گنبد کے اوپر والے حصے میں کوئی دروازہ یا سوراخ بھی ہوتا تو فاروق اس میں سے چھلانگ نہیں لگ سکتا تھا، وہ کھڑا سوچتا رہا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، اچانک اس نے سوچا، میں گنبد کے اوپر سے بے شک چھلانگ نہیں لگ سکتا، لیکن اندر جھانک تو سکتا ہوں، اس خیال کے آتے ہی وہ زینہ چڑھنے لگا، یہاں تک کہ گنبد

کی چوٹی پر پہنچ گیا، گنبد شیشے کا بنا
ہو اتھا اور اس میں کوئی دروازہ یا
سوراخ نہیں تھا، فاروق کی مایوسی کی
کوئی حد نہ رہی، اچانک اس نے ایک
بار پھر اندر روشنی کی کرن دیکھی اور
اس کے ساتھ ہی اسے ایک سیاہ پوش
بھی نظر آیا، وہ ایک الماری کے پٹ
کھولے کھڑا تھا۔ اتنے میں روشنی غائب
ہو گئی، شاپر وہ ہر چیز پر صرف ایک
آدھ لمحے کے لیے روشنی وال رہا تھا،
گویا کسی خاص چیز کی تلاش میں تھا،
فاروق نے سوچا، اب اس کا گنبد پر
جھے رہنا بے فائدہ ہے، نیچے چل کر
اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا چاہیے۔
وہ نیچے اتنے لگا، ابھی نچلی سیڑھیوں پر
نہیں پہنچا تھا کہ گنبد نما عمارت کا
دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی،

وہ جلدی سے سیڑھیوں پر نہیں پہنچا تھا
کہ گنبد نما عمارت کا دروازہ کھلنے کی
ہلکی سی آواز سنائی دی ، وہ جلدی سے
سیڑھیوں کے ساتھ چپ کر رہ گیا۔
ساہی نیچے جانے کے لیے چھٹ کی
طرف جا رہا تھا۔





ہولناک منظر

پروفیسر داؤد کے گھر کے دروازے کی گھنٹی بجی، شائستہ چونک اٹھی اور تقریباً دوڑتے ہوئے دروازے پر پہنچی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے جانے کے بعد وہ بہت پریشان ہو گئی تھی، اس کو سامنے دیکھ کر سکون کا سانس لیا، لیکن اس کا سکون فوراً ہی رخصت ہو گیا، پروفیسر داؤد کے چہرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں اور ان کے سر پر ان کا ہیٹ بھی نہیں تھا۔

ابو! آپ کا ہیٹ کہاں ہے۔
اوہ ہیٹ! انہوں نے جلدی سے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر بولے۔
وہ وہ شاید پروفیسر ذاکر کے ہاں رہ گیا۔

لیکن بات کیا، آپ بہت گھبراے ہوئے ہیں۔ شائستہ نے پریشان ہو کر کہا۔

اندر چلو بیٹی جلدی کرو، میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے سامنے بتانا پسند کروں گا۔

لیکن وہ تو اندر نہیں ہیں۔ شائستہ بوکھلا اٹھی۔
کیوں! واپس چلے گئے۔ پروفیسر داؤد اندر داخل ہوتے ہوئے حیرت زدہ لبھ میں بولے۔

جی نہیں، آپ نے بتایا تھا کہ پروفیسر ذاکر خود کو خطرے میں محسوس کر رہے ہیں آپ کے چلے جانے کے بعد انہوں نے بھی پروفیسر ذاکر کے ہاں پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیا وہ آپ کو راستے میں کہیں نظر نہیں آئے۔

میں آتے ہوئے ایک اور راستے سے آیا ہوں اور اس کی خاص وجہ تھی، لیکن اب کیا ہو گا، کاش وہ وہاں نہ جاتے۔ ان کا یہاں ٹھہرنا ضروری تھا۔ پروفیسر داؤد حدود بے پریشان اور بے چین نظر آ رہے تھے، ان کے جسم پر کپکپی سی سوار تھی۔

آخر بات کیا ہے، آپ بتا کیوں نہیں دیتے، اگر کوئی ایسی ہی خطرناک بات ہے تو انکل جمیلہ کو فون دیں۔

ہاں! میں یہی کروں گا، پروفیسر ذاکر کے ساتھ ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی سخت خطرے میں گھر گئے ہیں۔

اف خدا..... آخر یہ کیا معاملہ ہے۔
ٹھہر و پہلے مجھے فون کر لینے
دو، پھر بتاؤں گا اور ہاں تم جلدی

سے سب دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لو۔ انہوں نے تھرھر کانپتی آواز میں کہا۔

اچھا۔ اللہ رحم کرے۔

یہ کہہ کر شائستہ دوڑتی ہوئی چلی گئی اور پروفیسر داؤد فون پر جھک گئے اور انہوں نے انسپکٹر جمیلہ کے گھر کے نمبر ڈائل کئے، سلسلہ فوراً ہی مل گیا۔ طرف بیگم جمیلہ تھیں۔

یہ میں ہوں، داؤد فون جلدی سے جمیلہ کو دو۔ خیر تو ہے۔

دیر نہ کرو۔ انہوں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ دوسری طرف سے ریسیور میز پر رکھنے کی آواز آئی، پھر انسپکٹر جمیلہ کی آواز سنائی دی۔

ہیلو پروفیسر صاحب میں جانتا

ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہی نا کہ محمود ، فاروق اور فرزانہ آج واپس نہیں آئیں گے، انہیں آپ نے روک لیا ہے۔

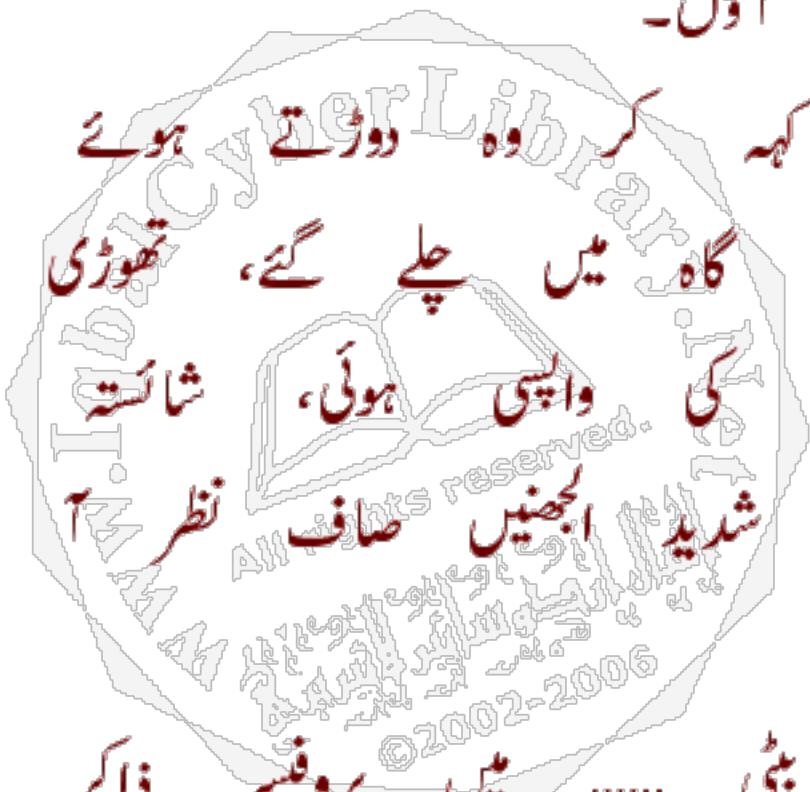
..... یہ بات نہیں سنو جمیلہ
ان کی زندگی خطرے میں ہے، وہ اس وقت پروفیسر ذاکر کے گھر میں ملیں گے۔ ان کی زندگی بچانے کے فوراً روانہ ہو جاؤ۔

وہ وہاں کس طرح پہنچ گئے۔ ان کے لمحے میں حیرت تھی۔

یہ تو بعد میں بھی معلوم کر سکتے ہو۔ پروفیسر جھلا کر بولے۔

اچھی بات ہے۔ ان کی آواز سنائی دی اور پروفیسر ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑے، جس میں سے شاستہ اندر آ رہی تھی۔

میں نے تمام دروازے اور کھڑکیاں
بند کر دی ہیں۔
شباش بیٹی! اب میں تمہیں ساری
بات بتاؤں گا، لیکن پہلے میں ایک
کام کر آؤں۔



یہ کہہ کر وہ دوڑتے ہوئے اوپر
انپی تجربہ گاہ میں چلے گئے، تھوڑی دیر
بعد ان کے چہرے پر شدید اچھیں صاف نظر آ رہی
تھی۔

سنو بیٹی میں پروفیسر ذاکر کے
گھر کے دروازے پر پہنچا تو
پروفیسر داؤد کے الفاظ درمیان میں رہ
گئے، دروازے کی گھنٹی بھی تھی، دونوں
نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف
دیکھا اور پھر صدر دروازے کی طرف
چل پڑے، اسی وقت گھنٹی ایک بات پھر

خونی ایجاد تحریر: اشتیاق احمد انگلز جمیلہ سریز

نج اٹھی۔





کمرے کا منظر حد درجے ہولناک
 تھا، یوں تو آئے دن انہیں خوفناک اور
 خطرناک مناظر دیکھنے پڑتے تھے، لیکن اس
 وقت جو نظارہ ان کے سامنے تھا، شاید
 انہوں نے پہلے کچھی بھی دیکھا تھا،
 کمرے کے چکنے نیلے رنگ کے فرش پر
 ایک لاش پڑی تھی، اس کے سینے میں
 خخر دستے دلوں دلوں
 ہاتھ بالکل سیدھے پھیلے ہوئے تھے اور
 اس کے اردوگرد خون دور تک پھیل گیا
 تھا، اس خون میں ایک کتا لاش کے
 سرہانے بیٹھا تھا، اس کا منہ خون سے
 تر تھا، شاید اس نے بار بار اپنا چہرہ
 فرش پر پھیلے خون پر پھیرا تھا، کبھی
 کبھی وہ سر اٹھا کر ایک عجیب پراسرار
 اور خوفناک سی آواز میں رونے لگتا، اس

کی آواز انہیں کسی روح کی آواز
محسوس ہو رہی تھی، لاش کے سر کے
پاس ہی ایک سیاہ رنگ کا ہیٹ پڑا تھا
جس کا نچلا حصہ خون میں لتحر گیا
تھا۔

اچانک کتنے کی نظر دروازے کی
طرف اٹھ گئی، اس نے انہیں چونک
کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے حسرت
اور غم ٹپک رہا تھا، انہیں یوں لگا جیسے
کتا ان سے کہہ رہا ہو۔ آ جاؤ
تم بھی لاش کے سرہانے بیٹھ کر رو
لو۔

دونوں دو قدم آگے بڑھے، انہیں
یہ خوف بھی تھا کہ کہیں کتا ان پر
چھپٹ نہ پڑے۔ نزدیک ہونے پر انہوں
نے دیکھا، کتا زنجیر سے بندھا تھا اور
زنجر کا دوسرا سرا دیوار میں لگے ایک

کہ میں بندھا ہوا تھا، وہ سمجھے گئے،
 کتا اپنے مالک کی مدد اس لیے نہ کر
 سکا کہ وہ بندھا ہوا تھا۔ دونوں ابھی
 گم صم کھڑے ہی تھے کہ اچانک
 انہوں نے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنی،
 وہ فوراً دروازے کے ساتھ دیوار سے
 لگ کر کھڑے ہو گئے، پھر انہوں نے
 سر سے پیکر تک ایک سیاہ لباس والے
 کو اندر داخل ہوتے دیکھا، اس کے
 دامیں ہاتھ میں پستول تھا، اچانک اسے
 کرے میں کسی کی موجودگی کا احساس
 ہوا اور اس سے پہلے کہ محمود اور
 فرزانہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے
 ، وہ تیزی سے مڑا اور اس کی نظریں
 ان دونوں پر جم گئیں۔

کون ہو تم!
 ہم ہم کون ہیں فرزانہ تم

اے بتا دو، ہم کون ہیں۔

محمود نے ہکلا کر کہا۔

میں کیوں بتاؤں کہ ہم انگل ذاکر
 سے ملنے آئے ہیں لیکن یہ انہیں
 کیا ہو گیا ہے ، یہ اپنے ارڈر رنگ
 پھیلائے کیوں لیٹے ہیں۔ فرزانہ بولی۔

پتا نہیں ، ان بھائی صاحب
 معلوم ہوگا۔ محمود نے مسمی صورت
 کو بنا کر کہا۔

اور گھر کے باقی لوگ بھی نظر
 نہیں آ رہے ، آخر یہ کیا معاملہ ہے
 جناب؟ فرزانہ نے پوچھا۔

پہلے تم بتاؤ کون ہو اور کہاں
 سے آئے ہو۔ اس نے غرا کر پوچھا۔

ہم پچے ہیں اور اسی شہر سے آئے
 ہیں۔ محمود نے کہا۔

یہ کیا جواب ہوا؟ اس نے بھنا کر

کہا۔

اگر تمہیں یہ جواب پسند نہیں آیا تو
 ہم دوسری طرح جواب دے دیتے ہیں،
 میں محمود ہوں اور یہ فرزانہ ہم
 انگل ذاکر سے ملنے آئے تھے۔ یہ
 ہمارے انگل کے دوست ہیں، کیا انہیں
 آپ نے مارا ہے۔ محمود نے اپنی نظریں
 اس پر جما دیں۔ لیکن وہاں تو نقاب
 چڑھا ہو اتھا۔
 ہاں! میں نے ہی اسے ختم کیا ،
 گھر کے باقی لوگ اور ملازم ایک کمرے
 میں بند پڑے ہیں اور اب تمہیں بھی
 اسی کمرے میں بند کرنا پڑے گا۔
 کیوں! ہم نے کیا قصور کیا ہے۔
 قصور تو پروفیسر ذاکر اور اس کے
 گھر والوں نے بھی کوئی نہیں کیا تھا
 مگر ہم تمہیں اس کمرے میں بند

کرنے نہ گئے تو تم کمرے کا دروازہ
کھول دو گے اور ان لوگوں کو ہوش
میں لے آؤ گے ، پھر پولیس کو فون
کر دیا جائے گا جب کہ ہم چاہتے
ہیں ، صحیح تک پولیس کے فرشتوں کو
بھی علم نہ ہو۔ وہ کہتا چاہیے کیا۔

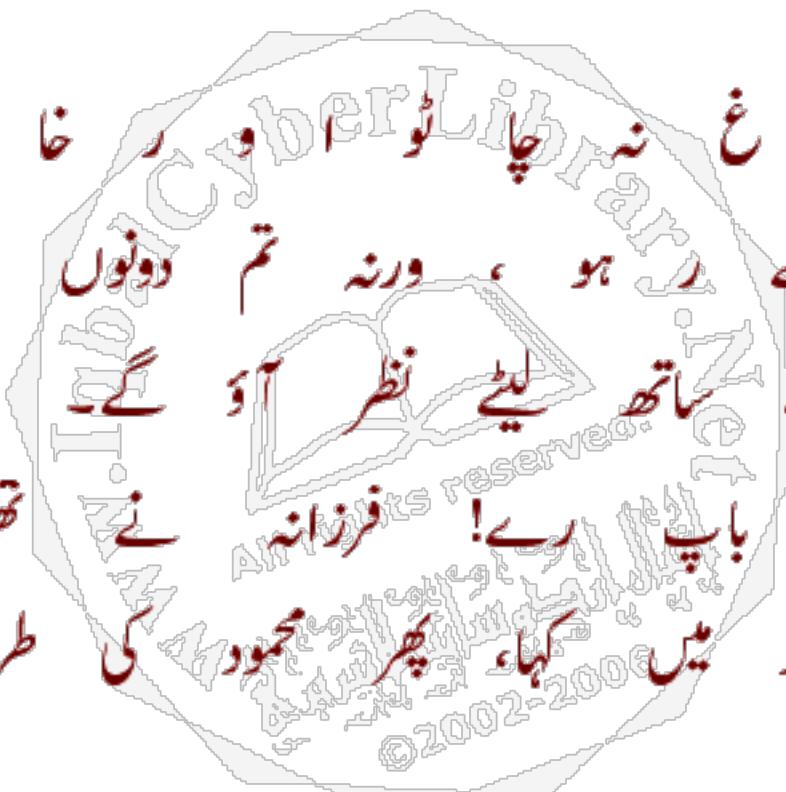
آپ ہمیں کمرے میں بند نہ کریں ،
ہم وعدہ کرتے ہیں کہ پولیس ضرور
اطلاع دے دیں گے، لیکن اس کے
فرشتوں کو ہرگز اطلاع نہیں دیں گے۔
محمود نے بوکھلا کر کہا۔

بکو مت..... اور چپ چاپ کھڑے
راہو۔

بہت اچھا لیکن بھائی جان صاحب
یہ آپ نے کپڑے کیسے پہن
رکھے ہیں، آپ کا چہرہ کہاں گیا۔ محمود
بول اٹھا۔

تم عجیب لڑکے ہو؟ سیاہ پوش نے
اسے گھورا۔

ہاں! یہ بات مجھ سے پہلے بھی کئی
لوگوں نے کی ہے محمود نے
کہا۔



دو مانع نہ چاہوں ور خا مو
ش کھڑے در ہو، ورنہ تم دونوں بھی^ا
پروفیسر کے ساتھ لیٹے نظر آؤ گے^ب
ارے باپ رے! فرزانہ نے تھرھر
کانپتی آواز میں کہا۔ پھر محمود کی طرف
مزی۔

میرا خیال ہے، تم انکل پروفیسر کے
ساتھ لیٹنا پسند نہیں کرو گے۔

فرش کی حالت دیکھ رہی ہو، بھلا
ان حالات میں ہم کیسے لیٹ سکتے ہیں۔
محمود نے کہا۔

..... تو بس پھر اب نہ بولنا

ورنه یہ ہمیں وہاں لٹا دیں گے فرزانہ
نے گویا نصیحت کی۔

بہت اچھا! اب میں ہرگز نہیں
بولوں گا، تمہارا مشورہ بہت نیک ہے اور
میرا خیال ہے کہ تم بھی خاموش ہی
رہو گی۔

اور کیا..... جب انہیں ہمارا بولنا پسند
نہیں تو ہم کیوں بولیں۔ فرزانہ نے
جلدی سے کہا۔
ٹھیک ہے لیکن محمود کچھ کہتے
کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کمرے
میں موجود ایک چیز پر جم گئی تھیں۔
یہ تم خاموش ہوئے ہو۔ سیاہ پوش
نے چلا کر کہا۔

گلا پھاڑ کر نہ بولو بھائی میرے
کان کے پردے بہت کمزور ہیں۔
تم یوں نہیں مانو گے ٹھہر وہ

..... بتاتا ہوں تمہیں ! اس نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

ذرا اچھی طرح بتانا ورنہ یہ
ماننے والے نہیں۔ کمرے کے دروازے
میں سے آواز آئی۔ اور سیاہ پوش بوکھلا
اٹھا۔

اس نے دیکھا، دروازے میں ایک اور
لڑکا کھڑا تھا۔
یک سے لگتا۔
منہ کے نہ شد تین شد تو اس reserved.

شکر کرو یہاں تین ہی موجود ہیں، اگرچوئے صاحب بھی یہاں آ گئے ہوتے تو اس وقت سر پکڑ کر رو رہے ہوتے۔ فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب؟ اس کے منہ سے مارے
حیرت کے لگا۔

میں مطلب بتانے میں بہت نالائق

ہوں، تمہیں غلط سلط مطلب بتا بیٹھوں
گا اور پھر تم مارنے کے لیے جھپٹ
پڑو گے، ایسے میں اگر مجھے غصے آگیا
تو حالات نازک صورت اختیار کر لیں
گے۔ فاروق شوخ لمحے میں بولا۔

یہ کیا بکواس ہے، آخر تم لوگ ہو
کون؟

ہم بھی تمہیں اپنی شامت.....
خیال کر سکتے ہو۔
 محمود نے کہا۔
اب تمہیں سبق دینا ہی پڑے گا۔
میں نے غرا کر کہا۔

کیا تمہیں الجرا آتا ہے، ہماری بہن
الجبرے میں کمزور ہے اسے الجبرے کا
سبق دے دو۔

اور انہیں جغرافیہ کا۔ فرزانہ نے رقمہ
دیا۔

اوہو..... میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اس نے چنگھاڑتی آواز میں کہا۔

بڑی خوشی سے ہو جاؤ، ہمیں کون اعتراض نہیں ہو گا اس سے پہلے بھی کچھ لوگ ہماری باتیں سن سکر پاگل ہو چکے ہیں، اگر تم بھی ہو گئے تو یہ گی۔ فاروق دراصل چکر میں تھے، یہی وجہ تھی کہ اسے باتوں میں لگا بیٹھے تھے اور پھر اس کے ہاتھ میں پستول بھی تھا جب کہ اس وقت تینوں نہتے تھے۔ ان کے پاس کوئی کھلونا ہتھیار نہیں تھا، وہ تو پروفیسر داؤد کی دعوت پر ان کے گھر میں پہنچے ہوئے تھے، ایسے میں ہتھیار گھر سے لے کر چلنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اس

وقت وہ کمرے میں ایسی جگہ کھڑے تھے۔ جہاں سے اس پر حملہ کرنا آسان نہیں تھا ہاں اس کے ہاتھ میں پستول نہ ہوتا تو اور بات تھی۔

اچانک انہوں نے قدموں کی آواز سنی، تینوں چونک اٹھے لیکن سیاہ پوش نے ذرا بھی توجہ نہ دی۔ جلد ہی تینیں نقاب پوش اور اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھوں میں بھی پستول تھے۔ ویکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، بڑے پھنسنے، پہلے تو صرف ایک پستول والے سے واسپہ تھا۔ اب یہ چار ہو گئے ہیں۔

ارے یہ کون ہیں؟ ۲۶ نے والوں میں سے ایک نے حیران ہو کر پوچھا۔ پتا نہیں ہوں گے پروفیسر ذاکر

کے پڑوی۔ کیا باہر کا دروازہ کھلا تھا
جو یہ اندر داخل ہو گئے۔ پہلے نے
پوچھا۔

دروازے کی گھنٹی بجھنے کی آواز ہم
نے سنی تھی اور یہی سمجھے تھے کہ
دروازہ اندر سے بند ہو گا۔ لہذا جو
کوئی بھی ہے، گھنٹی بجا بجا
چلا جائے گا۔ ہم تو دراصل تجربہ
میں مصروف تھے اور تم رسد گاہ
کیسے میں دروازے پر آگز کر کر
دیکھتے۔ ایک نے کہا۔

ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ
دروازہ کھلا ہوا کیوں تھا۔ ہمیں وہ چیز
بھی کہیں نہیں ملی۔ ہم نے ایک ایک
انچ کی تلاشی لے ڈالی ہے۔
یہ چیز مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے
، آخر دروازہ کھلا ہوا کیوں تھا، کیا

پروفیسر ذاکر کوٹھی کا دروازہ اندر سے بند
نہیں رکھتے تھے۔

بالکل بند رکھتے تھے۔ پہلا نقاب پوش
بولا۔

تو پھر کہیں ایسا تو نہیں۔

اچانک وہ کچھ کہتے رک گیا
..... اس نے چونک کر کہا۔

اوہ میں سمجھ گیا، ہم ابا
کامیابی سے زیادہ دور نہیں ہیں،
پہلے ان تینوں کو کمرے میں بند کر
دینا چاہیے۔

آخر تمہارے ذہن میں کیا بات آئی
ہے۔ دوسرے نے کہا پریشان ہو کر
کہا۔

بات میرے ذہن میں بعد میں آئی
ہے، اس سے پہلے مجھے اس کمرے میں
ایک چیز نظر آئی ہے، جس سے میں

ایک نتیجے پر پہنچ گیا ہوں جلدی
کرو، ان تینوں کو بھی اسی کمرے میں
یا کسی اور کمرے میں بند کر آؤ۔
پہلے نے کہا۔

اچھی بات ہے۔ یہ کہہ کر بعد
میں آنے والے تینوں سیاہ پوش ان کی
طرف بڑھے۔

نہیں نہیں کمرے میں بند
نہ کرو، ہم کسی سے کچھ نہیں
کہیں گے۔ فاروق نے ٹھہرنا کا نتیجہ ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ محمود اور فرازانہ نے بھی
ٹھہرانا شروع کر دیا۔ انہیں اس طرح
کا نتیجہ دیکھ کر ان تینوں کے چہرے پر
وحشیانہ مسکراہیں نمودار ہوئیں اور انہوں
نے اپنے پستول جیب میں رکھ لیے ،

یہ دیکھ کر پہلے نے بھی یہ کیا۔
یہ یہ تم نے پستول جیب میں

کیوں رکھ لیے۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔
 اس لیے کہ ہمیں تم جیسے چوہوں
 سے کوئی خطرہ نہیں۔ پہلا ہنسا۔
 ہائی ہم تمہیں چوہے نظر آتے
 ہیں ، تمہاری نظریں کمزور تو نہیں ہیں۔
 فرزانہ نے برا سامنے بنایا کہا۔
 تمہیں اپنی آنکھوں کا فوراً علاج کرانا
 چاہیے۔
 بکو مت۔
 اب وہ تینوں ان کے بہت نزدیک
 پہنچ چکے تھے، اس وقت حرکت میں آنا
 بہت ضروری تھا، ورنہ پھر انہیں مہلت نہ
 ملتی۔..... تینوں نے جھکائی دی اور دوسری
 طرف نکلتے چلے گئے۔ البتہ انہوں نے اتنا
 خیال ضرور رکھا کہ خون پر پیر نہ
 پڑنے پائے۔ چاروں سیاہ پوشوں نے
 آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا۔

بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔ پہلا گرجا اور اس کے تینوں ساتھی تین مختلف سمتوں سے ان کی طرف جھپٹے، جو نہی وہ ان کے نزدیک آئے، فاروق زور سے اوپر اچھلا اور اس کا سر اپنی طرف آتے ہوئے حملہ آور تیزی کی ناک سے ٹکرایا، اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ محمود تیزی سے جھکا اور ہوئے دشمن کی ٹانکیں پکڑ کر گھیٹ لیں، وہ دھڑام سے چاروں شانے چت گرا اس کا سر زور سے فرش سے ٹکرایا اور منہ سے چیخ نکل گئی۔ تیری طرف فرزانہ تیار تھی، اس نے اپنی طرف آتے ہوئے نقاب پوش کو غصہ دیا اور اس کے پیچھے پہنچ گئی، پھر فوراً ہی اچھلی اور اس کی کمر پر دونوں لاتیں اس زور سے رسید کیں کہ وہ اوندو ہے منہ

فرش پر عین خون کے اوپر گرا اور
پھستا چلا گیا۔

اور یہ سب کچھ چند سکینڈ کے اندر
ہو گیا پہلا نقاب پوش اس طرح
آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا، جیسے پتھر کے
بت میں تبدیل ہو گیا اس
سے پہلے کہ وہ ہوش کے ناخن لیتا ،
تینوں اس کے سر پر پنج گئے اور اس
پر تابڑ توڑ کے رسید کر ڈالے، وہ
بے چارا منہ سے آواز نکالے بغیر فرش
پر ڈھیر ہو گیا۔

بڑے ۲۷ تھے ہمیں چوہے بجھنے
والے فاروق نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے
کہا۔

اگر یہ ہمیں چوہے نہ کہتے تو ہم ان
کے ساتھ اتنا برا سلوک نہ کرتے۔
فرزانہ بولی۔

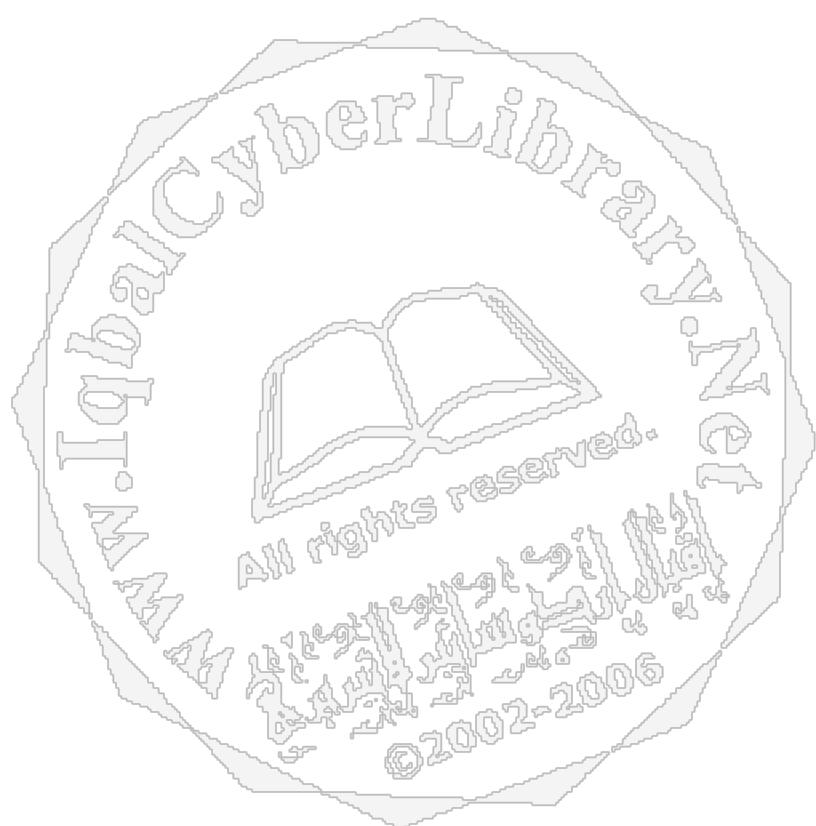
تو پھر کتنا برا کرتے۔ فاروق بول اٹھا۔

چھوڑو ان باتوں کو ہمیں سب سے پہلے ابا جان کو فون کرنا چاہیے اور پھر پولیس کو۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

اوہ ہاں! یہ تو ہم بھول گئے۔ فرزانہ جلدی سے بولی۔

بہت خوب! اچانک ایک آواز دروازے میں سے آئی اور وہ بوکھلا کر مڑے۔

انہوں نے دیکھا، وہاں ایک اور سیاہ پوش کھڑا تھا، اور اس کے ہاتھوں میں شمین گن تھی۔



ایک لاکٹ۔ ایک سراغ

تیمور روڈ کی ساتویں گلی کی
گیارہویں منزل کے دروازے پر ایک کار
اڑ کر رکی۔ یہ عمارت تین منزلہ تھی
اور ہر منزل کی کھڑکیوں سے روشنی
چانک رہی تھی۔ کار میں سے پانچ لمبے
آدمی اترے اور اندر داخل ہو گئے۔
پہنچاں چڑھتے ہوئے وہ تیسری منزل پر
پہنچ۔ تیسری منزل تین کمروں مشتمل
تھی، وہ درمیانی کمرے کے دروازے پر
گلی گھنٹی کے بُن کو پہلے آہستہ، پھر
ذرا زور سے اور تیسری مرتبہ چند سیکنڈ
تک دبایا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔
کمرے میں کوئی نہیں تھا، انہیں اس پر
کوئی حیرت نہ ہوئی شاید وہ پہلے
بھی یہاں آتے رہے تھے۔ وہ آگے
بڑھتے چلے گئے۔ سامنے دیوار میں ایک

دروازہ اور تھا، اس دروازے کو دھکیلا گیا تو وہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے، پھر کمرے کو اندر سے بند کر دیا۔

ایک بڑی سی میز کے پیچے شہری فریم والی عینک لگانے ایک سرخ و سفید رنگ کا آدمی بیٹھا تھا، اس کا جسم حد درجے صحت مند تھا، آنکھیں نیلے رنگ کی اور ناک مولیٰ پکورا سی تھی، چہرے پر ایک سرم سی مسکراہٹ آنے والوں کے دل لرزائے دے رہی تھی۔ چند لمحے تک انہیں گھورتے رہنے کے بعد وہ سانپ کی طرح پھنکا را۔

معلوم ہوتا ہے تم ناکام لوٹے ہو۔
.....
آپ کا خیال ٹھیک ہے باس
ہمیں وہاں پروفیسر نہیں ملی۔
کیا تم نے پروفیسر کا کام تمام کر

دیا؟ اس نے پوچھا۔

بھی ہاں، ہم یہ کر آئے ہیں۔

لیکن ڈائری کیوں نہیں ملی میں نے بتایا تھا کہ ڈائری یا تو گنبد نما عمارت کی کسی الماری میں ملے گی یا پھر تجربہ گاہ کی میز کی دراز ہیں۔

ہم نے صرف ان دونوں جگہوں کی ہی اچھی طرح تلاشی نہیں لی، بلکہ پوری کوٹھی ، تجربہ گاہ اور سد کی کہیں کہیں میں کر دالی، لیکن ڈائری کچھان میں ضرور نہیں ملی، البتہ ایک عجیب بات محسوس ہوئی ہے۔

اور وہ عجیب بات کیا ہے، تمہاری ناکامی نے مجھے مایوس کر دیا ہے، اب تم پانچویں میری سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ اس نے سرد آواز میں کہا۔

لیکن باس اس میں ہمارا کیا قصور

..... اگر ڈائری وہاں موجود ہوتی تو ہم
ہر حال میں لے کر آئے۔
پہلے وہ عجیب بات بتاؤ۔ اس نے
اس کی بات کی طرف دیئے بغیر کہا۔
ہم کوٹھی کے اندر پاپ کے ذریعے
داخل ہوئے تھے۔ HalalNehas
ضرورت نہیں تھی، یہ ہمیں میں
معلوم ہوا کہ صدر دروازے تو اندر سے
بند ہی نہیں تھا۔
یہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا۔
تین پچھے پروفیسر سے ملنے عین اس
وقت آئے تھے۔ جب ہم تلاشی کا کام
ختم کر کے پروفیسر کے کمرے میں جمع
ہوئے تھے۔

وہ کہاں سے آ پلے؟ بس کی
پیشانی پر بل پڑ گئے۔ جی پتا نہیں
..... وہ پروفیسر کو انگل کہہ رہے تھے،

شاید اس کے پڑوئی ہوں گے، بہر حال ہم
نے انہیں بھی کمرے میں بند کر دیا۔
تو پھر اس میں عجیب بات کیا
ہوئی؟ اس نے جھلا کر پوچھا۔

آپ نے بتایا تھا کہ دروازے اندر
سے بند ہو گا، کیوں پروفیسر ذاکر
نے خطرے کی بو سونگھ لی ہے، پھر
آخر دروازہ کیوں کھلا تھا۔
اوہ! بات سوچنے کی ہے، کوئی
بات؟ اس نے سوالیہ لجھ میں کہا۔

جی ہاں! پروفیسر ہمیں ہیٹ پہنچے
ہوئے ملا تھا، جب ہم نے اس کے
سینے میں خنجر اتارا اور وہ گرا تو اس
کا ہیٹ فرش پر گر گیا تھا۔

یہ کیا تفصیل بتا رہے ہو، آخر ان
باتوں سے تم مجھے کون سی عجیب بات
بتانا چاہتے ہو۔ اس مرتبہ باس کی آواز

تیز ہو گئی اور بولنے والا تحریر کانپنے لگا۔

بات دراصل یہ ہے بس کہ رخصت ہونے سے پہلے جب ہم نے کمرے پر الوداعی نظر ڈالی تو ہمیں میز پر رکھا ایک اور ہیئت نظر آیا۔

ایک اور ہیئت ، کیا مطلب ؟ بس چونکا۔

جی ہاں پروفیسر کا ہیئت تو فرش پر پڑا تھا، پھر وہاں دوسرا ہیئت کا کیا کام تھا۔ دونوں ہیئت تقریباً ایک جیسے تھے، اس لیے پروفیسر ایک ہی وقت میں ایک جیسے ہیئت تو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

نہیں تم نے یہ بات بہت کام کی بتائی۔ بس نے پر جوش لجھ میں کہا۔ تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے

وہاں پہنچنے سے پہلے کوئی شخص ان سے ملنے آیا ہو اور وہ اپنا ہبیٹ اپنا بھول گیا ہو۔

بالکل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ پروفیسر ذاکر نے خطرے کی بو سونگھ کر ذاری اس ہبیٹ والے حوالے کر دی ہو۔ باس نے جلدی سے کہا۔

اور اسی لیے ہم وہ ہبیٹ اٹھا لائے ہیں۔

اوہ! خوب! باس نے خوش ہو کر کہا۔ جانی تم نے یہ کام کیا ہے، لاوہ ہبیٹ مجھے دو، کیا وہ یہی ہے۔ جو تم نے ہاتھ میں تھاما ہوا ہے۔

جی ہاں! یہ کہہ کر جانی نے ہبیٹ میز پر رکھ دیا اور پھر پچھے ہٹ آیا۔ اس خوشی میں تمہاری سزا معاف کر

دینے کو جی چاہتا ہے۔ بس نے پر جوش
آواز میں کہا۔ وہ ہیٹ کو الٹ پلٹ
کر دیکھ رہا تھا۔

بہت بہت شکریہ بس!

باس نے ہیٹ کے اندر ہاتھ ڈال
کر اس کا اندرولی پکڑا الٹ دیا، اس
میں ایک ننھا سا کارڈ موجود تھا اور
کارڈ پر ایک نام لکھا ہوا تھا۔
نام پڑھتے ہی بس کی آنکھیں مارے
حیرت کے کھلی کھلی رہ گئیں۔ وہ
اچھل کر کھڑا ہو گیا۔



انپکٹر جمشید موڑ سائیکل پر بیٹھے پروفیسر ذاکر کی کوٹھی کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ محمود، فاروق اور فرزانہ پروفیسر ذاکر کے گھر کیا کرنے گئے، وہ تو پروفیسر داؤد کے ہاں گئے تھے۔ دھرمی حیرت اس معلوم کہ پروفیسر داؤد کو یہ کس طرح خطرے میں ہیں۔ ان خیالات میں گھرے وہ پروفیسر ذاکر کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ موڑ سائیکل سے اتر کر وہ دروازے پر پہنچے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا، انہوں نے گھنٹی بجانے کی کوشش نہیں کی، اندر گھستے چلے گئے۔ پورا مکان خوفناک خاموشی کی لپیٹ میں تھا، انہوں نے عجیب قسم کی بے

چینی محسوس کی، ان کے قدم تیز ہو گئے۔ وہ ہر قسم کی احتیاط سے بے نیاز ہو گئے۔ راہداری کے آخری سرے پر انہیں ایک کمرے میں روشنی نظر آئی، ساتھ ہی کسی کتے کے رونے کی آواز ان کے کانوں سے پہلی آواز تھی، جو انہوں نے سنی، بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے دروازہ گھول دیا اور پھر دھک سے رہ گئے۔ اس کمرے کا منظر ابھی تک وہی تھا جو تھوڑی دیر پہلے محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چند لمحے تک کمرے کے منظر کو دیکھتے رہے، کتنے نے بھی ان پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور پھر سر جھکا لیا، کمرے میں لاش اور کتے کے سوا کوئی نہیں تھا، وہ جلدی سے باہر نکلے اور ساتھ والے

کمرے کے دروازے کو دھکیل کر دیکھا،
وہ بند تھا، دروازے کے اندر ہی لگا
تالا لگا دیا گیا تھا، انہوں نے دوسرے
کمروں کے دروازوں کو بھی جلدی جلدی
دیکھا، ایک اور کمرے کا دروازہ بند ملا،
باقی دو کمرے خالی پڑے تھے۔ آخر
انہوں نے جیب سے ایک چابیوں کا
نکالا اور بند کمروں میں سے ایک
تالے پر اسے آزمائے لگے، تیسرا
نے ہی تالا کھول دیا، انہوں نے
دروازے کو دھکیل اور اندر داخل ہو
گئے۔

دوسرے ہی لمحے ان کا اوپر کا
سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
کمرے کے فرش پر ایک لڑکا اور تین
جوان آدمی لمبے لمبے لیٹے تھے، پہلی نظر
میں وہ انہیں مردہ نظر آئے۔ پھر بغور

دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہے تھے، انہوں نے جھک کر ایک نبض ٹھوٹی دلوں کی دھڑکنیں محسوس کی، وہ چاروں زندہ تھے اور صرف بے ہوش تھے، چند لمحے کے لیے وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

اچانک انہیں یاد آیا ، وہ تو یہاں محمود، فاروق اور فرزانہ کی زندگیاں بچانے آئے تھے، انہیں جلد ہی دوسرے کمرے کا خیال آیا، چاپوں کے گچھے سے اسے کھولنے میں بھی دیر نہ لگی ، وہ اندر داخل ہوئے اور پھر ان کا رنگ اڑ گیا۔

کمرے کے فرش پر محمود ، فاروق اور فرزانہ بے ہوش پڑے تھے، ان کے ہاتھ پیر بچوں گئے۔ لاش والے کمرے میں انہیں فون نظر آیا تھا، وہ اس

کمرے کی طرف دوڑے اور وہ تین
جگہ فون کیے، پھر غسل خانے میں سے
ایک جگ میں پانی لے کر ساتوں بے
ہوش آدمیوں پر چھڑکتے رہے، لیکن ان
میں سے کسی کو بھی ہوش نہ آیا،
اب انتظار کرنے کے سوابوہ کچھ بھی
نہیں کر سکتے تھے۔

آخر خدا خدا کے سول ہسپتال
کے ڈاکٹر صاحب اپنے دو نائبوں کے
ساتھ وہاں پہنچ، بے ہوشوں کو ہوش میں
لانے کا کام انہوں نے اپنے ذمے لیا
اور انپکٹر جمیلہ لاش والے کمرے میں
ائے، کیونکہ انہوں نے ابھی اس کمرے
کا غور سے جائزہ نہیں لیا تھا۔ وہ ایک
ایک انج پر نظر دوڑانے لگے، اچانک وہ
جھکے اور ایک چمکدار چیز چٹائی سے اٹھا لی
یہ ایک لاکٹ تھا اور لاکٹ کے اندر

ایک آدمی کی تنفسی سی تصویر تھی، چند لمحے تک وہ تصویر کو غور سے دیکھتے رہے، یہ ایک نوجوان آدمی کی تصویر تھی جس کی ناک کی عین نوک پر سیاہ رنگ کا ایک تل تھا، انہیں یوں محسوس ہوا، جیسے اس لیکھ کو وہ پہلے بھی کہیں دیکھ چکے ہیں، آخر انہوں نے لاکٹ جیب میں رکھ لیا۔

تحوڑی دیر بعد اکرام اور پولیس والے بھی آ گئے انہوں نے اسی کارروائی شروع کر دی تو انپکٹر جمشید اکرام کو ایک کونے میں لے گئے اور لاکٹ میں لگی تصویر اسے دکھا کر بولے۔

اس شخص کو جانتے ہو۔

جی ہاں! یہ شارو ہے، سزا یافتہ ہے، لیکن جیل سے مت آزاد ہونے کے بعد اسے ایک شریف آدمی کے گھر

ملازمت کر لی ہے اور اس کے گھر
کی دیکھ بھال کرتا ہے۔
بہت خوب! ہمیں اس سے ملنا ہو گا
، اگر وہ ایک شریف آدمی کے گھر
ملازمت کر رہا ہے۔ تو پھر اس کے
لاکٹ کا یہاں کیا کام؟ انہوں نے
کہا۔

بہت بہتر، کیا ابھی چنانا ہے۔
ذرا یہاں موجود ہے بے ہوش لوگوں کے
ہوش میں آنے کا انتظار ہے۔ انہوں نے
کہا، پھر بولے۔

تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس
کے ہاں ملازمت کر رہا ہے۔

شیخ سرفراز علی کے۔ انہوں نے کہا۔

شیخ سرفراز علی وہ ریٹائرڈ فوجی۔
انپکٹر جمیلہ یاد کرنے کے انداز میں
بولے۔

جی ہاں! وہی اکرم بولا۔

اس کا مطلب ، ہمیں اس کے گھر
جانا پڑے گا۔ جی ہاں! سنا ہے وہ
دن رات شیخ سرفراز کے ہاں ہی رہتا
ہے۔ اکرم بولا۔

بہت خوب! تو ذرا ڈاکٹر
صاحب سے معلوم کر لیں۔
ڈاکٹر صاحب! ابھی تک بے
آدمیوں کو ہوش میں لانے کی کوشش
میں مصروف تھے، یہ دیکھ کر انپکٹر جمیلہ
کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

خیر تو ہے ڈاکٹر صاحب یہ اب
تک ہوش میں نہیں آ سکے!
انہیں بہت نیسلی دوا سنگھائی گئی ہے،
بلکہ زہریلی اس کا اثر دور ہونے
میں دیر لگے گی، میں نے سب کو
ایک ایک انجکشن دیا ہے، امید کہ ایک

گھنٹے تک بے ہوش میں آ جائیں گے۔
اوہ فکر والی تو کوئی بات
نہیں۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا۔
جی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب بولے۔
تو آؤ اکرام ہم اتنی دیر شارو
سے مل آئیں۔

بہت ڈاکٹر خوب! چلیے۔
جائے تو محمود، فاروق اور فرزانہ سے
کہیے گا، وہ یہیں میرا انتظار کریں۔

بہت بہتر! ڈاکٹر صاحب نے کہا اور
وہ دونوں باہر نکل آئے۔

اکرام کو شیخ سرفراز علی کا پتا معلوم
تھا، اس لیے وہ جیپ میں بیٹھ کر جلد
ہی وہاں پہنچ گیا، لیکن آخر یہ رات
..... کا وقت تھا اور سردیوں کے دن
انہیں تین بار دروازے پر دستک دینا

پڑی، تب کہیں جا کر دروازہ کھلا اور
ایک بوڑھے آدمی نے سر باہر نکلا۔
جی فرمائی، کیا بت ہے؟ اس نے
پوچھا۔

ہمیں شیخ سرفراز صاحب سے ملنا ہے۔
وہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں جا
چکے ہیں۔ ملازم نے منہ بنانا کر کھا۔
تمہارا کیا نام ہے؟ انپکٹر جمیلہ سیفیز
نے اسے گھورا۔
میرا نام اسلام دین ہے۔ وہ گڑبردا
گیا۔

اچھا تو اسلام دین صاحب شیخ
صاحب کو جا کر بتا دو ، محکمہ سراغ
رسانی سے دو آدمی آئے ہیں اور کچھ
ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔

اوہ! آئیے..... اندر تشریف رکھیے۔
بوڑھے اسلام دین نے ڈرے ڈرے لجھ

میں کہا۔

چلو۔ وہ اس کے پچھے چلتے ہوئے ڈرائیور روم میں آئے، یہ ایک صاف سترہارا اور سلیقے سے سجا ہوا کمرہ تھا، صوفہ سیٹ اور کرسیاں اچھی قسم کی تھیں، دیواروں پر تصویریں ہوتی تھیں، جن میں زیادہ تر فوجیوں کے گروپ فوٹو تھے اور ان میں ضرور شیخ سرفراز علی بھی شامل تھے، ظاہر ہے یہ فوج کے زمانے کی تصویریں تھیں۔

اچانک انہوں نے قدموں کی آواز سنی، وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے ایک لمبا ترینگا اور پلا دبلا سا آدمی اندر داخل ہوا، اس کی آنکھیں بھوری، چہرہ رعب تھا۔ جس پر بڑی بڑی موچھیں تھیں۔ اس کی ایک ٹانگ میں ہلکی سی لنگراہٹ تھی، شاید

فوج میں رہتے ہوئے زخمی ہوا تھا۔

مجھے شیخ سرفراز علی کہتے ہیں۔ اس نے اندر آتے ہوئے اپنا تعارف کرایا، آواز ملائم تھی۔

میں انپکٹر جمیلہ سعید ہوں اور یہ سب انپکٹر اکرام ہیں، ہمارے تعلق محکمہ سرانی سے ہے۔ اس وقت کیسے تکالیف کی۔

ایک ضروری معاملہ ہے۔ کیا شارو نام کا کوئی آدمی آپ کے ہاں ملازم ہے۔ انہوں نے پوچھا۔

جی ہاں! کیوں کیا ہوا؟ اس کے لمحے میں حیرت جھلکی۔ اور کیا وہ اس وقت گھر میں ہی موجود ہے۔

جی ہاں! وہ دون رات یہیں رہتا ہے، لیکن بات تو بتائیے۔ وہ پریشان ہو

کر بولا۔

بات ہم اس کے سامنے ہی بتائیں گے، ذرا اسے بلوا لجھئے۔

اچھی بات ہے۔ یہ کہہ کر اس نے صوف کے اوپر دیوار میں لگا ایک بٹن دبایا۔ جلد ہی بوڑھا اسلام دین پھر اندر داخل ہوا۔ شارو کو بلا لاو۔ شارو کو..... اسلام دین کا معنہ بن گیا۔

ہاں ہاں، شارو کو کیا تم اونچا سننے لگے ہو۔ شیخ سرفراز علی نے کہا۔ جی جی نہیں میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بوکھلا ہوا سا باہر نکل گیا۔

جلد ہی شارو اندر داخل ہوا، اس کی ناک کی نوک پر ابھرا ہوا تل صاف

نظر آ رہا تھا، اندر موجود لوگوں پر نظر پڑتے ہی وہ برمی طرح چونکا، لیکن پھر سکون ہو گیا۔

آپ کو بہت عرصے بہت دیکھ رہا ہوں انپکٹر صاحب۔

میرا بھی یہی خیال ہے وہ مسکرانے، پھر بولے۔ شارو تمہارے پاس ایک لاکٹ ہوا کرتا تھا، میں ایک لاکٹ ملے ہے، اس میں تمہاری تصویر بھی ہے، اس لیے ہم تمہیں وہ لاکٹ لوٹانے آئے ہیں، کیونکہ اس کی زنجیر سونے کی ہے۔ وہ کہتے چلے گئے۔

بہت بہت شکریہ انپکٹر صاحب۔ آپ نے بہت تکلیف کی، میں خود اپنے لاکٹ کے لیے پریشان تھا، یہ تین دن پہلے گم ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ اوہو۔ اچھا۔ انپکٹر جمشید نے حیران ہو

کر کہا۔

جی ہاں! اس کے منہ سے نکلا۔
انپکٹر جمیلہ نے جیب میں ہاتھ ڈال
کر لاکٹ نکالا اور اس کی آنکھوں کے
سامنے جھملایا۔

یہی ہے نا؟ انہوں نے کہا۔
جی ہاں! بالکل یہی ہے
جلدی سے بولा اور لاکٹ لینے کے لیے
ہاتھ بڑھایا، لیکن انپکٹر جمیلہ نے ہاتھ
کھینچ لیا۔ ذرا غصہ رو۔ یہ لاکٹ کب گم
ہوا تھا۔

آج سے تین دن پہلے۔ اس نے
کہا۔

تم نے یہ نہیں پوچھا یہ کہاں
سے ملا ہے۔ انپکٹر جمیلہ نے پراسرار لمحے
میں کہا۔

چلیے۔ بتا دیں، مجھے پوچھنے کا خیال

نہیں رہا۔

یہ ایک ایسے کمرے سے ملا ہے،
جس میں ایک لاش پڑی پائی گئی ہے،
اس شخص کو نخنجر سے قتل کیا گیا
ہے اور لاش کے پہلو میں لاکٹ پڑا
تھا، تم اس پر کہیں کہیں خون لگا
دیکھ سکتے ہو۔ انپکٹر جمیلہ سعید یہ کہتے وقت
مُسکرائے۔

نہیں !! شارو زور سے چھنا۔

اور تمہیں قتل کے اذام میں گرفتار
کیا جا سکتا ہے، شیخ صاحب کیا
آپ کو یہ بات معلوم ہے، شارو
ایک سزا یافتہ آدمی ہے، یہ ایک ماہر
جرائم پیشہ رہا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ
ایک بڑے آدمی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

جی ہاں ! مجھے یہ باتیں معلوم ہیں،
اس نے خود ہی بتائی گئی تھی، یہ بہت

پریشان تھا اور ایماندارانہ زندگی گزارنے کے لیے بے چین بھی۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا، مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لیے ایک آدمی کی ضرورت تھی اور یہ بات ہے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے کی۔ شیخ سرفراز علی کہتا چلا گیا۔

بہت خوب، لیکن اب آپ کہتے ہیں، جب کہ اس کا لاکٹ ایک لاش کے پاس پایا گیا ہے۔ اس نے لاکٹ گم ہونے کا ذکر مجھ سے بھی کیا تھا اور میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کر دے معلوم نہیں اس نے کرائی یا نہیں۔

جی ہاں، میں نے رپورٹ درج کرائی تھی۔

کیا !!! انپکٹر جمشید چلا اٹھے۔ اکرام
بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

کون سے تھانے میں درج کرائی
تھی۔ انپکٹر جمشید نے پوچھا۔

اسی علاقے کے۔ نیو ٹاؤن کے تھانے
میں۔

شیخ فون کا میں آپ صاحب۔
استعمال کر سکتا ہوں۔

جی ہاں، بڑے شوق سے۔ اس نے
کہا۔

انپکٹر جمشید نے تھانے میں فون کیا
اور پھر اس بات کی تصدیق ہو گئی
کہ شارو نامی ایک آدمی نے اپنے لاکٹ
کی گمشداری کی رپورٹ درج کرائی تھی،
انپکٹر جمشید نے تھکے تھکے انداز میں
ریسیور رکھ دیا۔ کیونکہ انہیں ایسی امید
ہرگز نہیں تھی۔

اور اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی نے شارو کو پھنسانے کے کوشش کی تھی، یہ تو شاید عقل مندی کر گیا کہ اس نے رپورٹ درج کرا دی، ورنہ اس وقت اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آتیں۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت انپکٹر جمیلہ سعید نے شارو سے کہا تھا: شارو، ابھی تم شک سے بری نہیں ہوئے، میں تمہیں بدایت کرتا ہوں کہ شہر سے باہر جانے کی کوشش ہرگز نہ کرنا، اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو تمہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے، ایک پلک فون بوتحہ سے انپکٹر جمیلہ نے کسی کو فون کیا اور پھر دونوں پروفیسر ذاکر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن جونہی وہ کوٹھی کے دروازے پر پہنچے، ان

خونی ایجاد تحریر: اشتیاق احمد انگلزی جمیلہ سعید

کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔





وہ کیا کہتے ہیں
 ڈاکٹر صاحب بے ہوش افراد کو ہوش
 میں لانے کی پوری پوری کوشش کر
 رہے تھے، آخر ان کی کوشش بار آور
 ہوئی اور سب سے پہلے محمود نے آنکھ
 کھولی، اس نے چونکہ ادھر ادھر
 دیکھا، چند لمحے تک پلکیں جھپکاتا رہا
 چونکہ اٹھا، اسے یاد آیا، وہ پروفیسر
 کی لاش والے کرے میں تھے
 ان کی جھٹکب چار نقاب پوشوں سے
 ہوئی تھی اور وہ انہیں شکست دینے میں
 کامیاب ہو گئے تھے، لیکن عین اس وقت
 ایک پانچواں نقاب پوش ٹھیکن گن لیے
 وہاں آگیا تھا اور انہیں ہاتھ اوپر کرنے
 پڑ گئے تھے، پھر اچانک ان کی ناکوں
 میں کوئی تیز بو گھسی تھی اور وہ بے
 ہوش ہو گئے تھے۔

میں کہاں ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر کی کوٹھی کے ایک
کمرے میں فکر کی کوئی بات
نہیں۔ تمہارے والد سے یہاں پہنچ چکے
ہیں، اس وقت وہ سب انسپکٹر کے ساتھ
کہیں گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں تم
ان کا یہیں انتظار کرنا۔

اوہ اچھا۔ محمود کے منہ سے نکلا
پھر پریشانی کے عالم میں پریشانی ملنے لگا۔
کیا بات ہے، کیا تم گھبراہٹ محسوس
کر رہے ہو۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔
جی۔ جی نہیں بات یہ ہے کہ
مجھے کوئی بات رہ رہ کر یاد آ رہی
ہے۔

ذہن کو پریشان مت کرو، وہ خود
بنخود یاد آ جائے گی۔

اسی وقت فاروق نے ایک آہ بھری

اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے،
اسے بھی فوراً ہی سب کچھ یاد آ
گیا۔ اور ادھر فرزانہ کی آنکھ کھلی،
ادھر محمود کو وہ بات یاد آ گئی، وہ
اچھل کھڑا ہو گیا۔

تمہیں ارے ارے زہریلی گیس سنگھا گئی ہے اور اس کا
اٹھ ابھی پوری طرح زائل نہیں ہوا ڈاکٹر
صاحب گھبرا کر بولے۔
میں ابھی آ کر لیٹ جاتا ہوں، پہلے
میں لاش والے کرے پر ایک نظر ڈال
اؤں ، اگر وہ چیز وہاں موجود ہے،
تب فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہو
گی۔

تم کس چیز کی بات کر رہے ہو،
میرا ماتحت دیکھ آئے گا، تمہارے لیے
چلنا پھرنا درست نہیں۔

آپ فکر نہ کریں، مجھے کچھ نہیں
ہو گا، لیکن اگر میں یہاں لیٹا رہا تو
شاید ساری عمر پچھتنا پڑے۔
یہ کہا اور تیزی سے کمرے سے
نکل گیا، فاروق اور فرزانہ اسے حیرت
زده انداز میں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے،
پھر وہ بھی اٹھے اور اس کے پیچے
ارے ارے تم کہاں چلے۔
ڈاکٹر صاحب نے بوکھلا کر کہا، لیکن انہوں
نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔
عجیب پچے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بڑھائے
اور پھر پروفیسر ڈاکٹر کے گھر کے افراد
کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر انہیں خیال
آیا کہ انپکٹر جمیلہ نے ان سے کہا
تھا، پچے یہیں رہ کر ان کا انتظار
کریں، انہوں نے سوچا، کہیں وہ گھر

سے باہر نہ نکل جائیں۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف لپکے، جس میں تھوڑی دیر پہلے پروفیسر ذاکر کی لاش ملی تھی۔

محمود کمرے میں داخل ہوا اور پھر ٹھٹھک کر رک گیا، لاش اب یہاں سے اٹھائی جا چکی تھی اور خون بھی صاف کر کر دیا گیا تھا، کتنے پاؤڑر چھڑک کر انگلیوں کے نشانات اٹھا رہے تھے۔

وہ وہ کہاں گیا۔ محمود نے ہکا بکا ہو کر کہا۔ کیا کہاں گیا۔ فاروق نے بھی اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ میں تم سے نہیں پوچھ رہا۔

جھلا گیا۔

تو کیا میرے فرشتوں سے پوچھ رہے ہو، یا ان دیواروں سے پوچھ رہے ہو، دیواروں کے کان تو شاید ہوتے ہیں، لیکن زبان نہیں ہوتی۔ فاروق نے مذاق اڑانے والے لمحے میں کہا۔

اس وقت فضول بات ہرگز نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے، کسی کی زندگی خطرہ میں ہے۔

کیا مطلب؟ فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ چونک کر کہا۔ خاموش رہو۔ یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا اور ماہرین میں سے ایک سے پوچھا۔

یہاں میز پر ایک ہیٹ رکھا ہوا تھا۔ ہیٹ نہیں تو ہم یہاں اس وقت ہیں۔ جب یہاں سے ابھی لاش اٹھوائی نہیں گئی تھی، یہاں تو ہمیں فرش

پر صرف ایک ہیٹ ملا ہے۔ اور تو یہ کیا وہ اسے لے گئے۔

محمود نے خوفزدہ انداز میں کہا، فاروق اور فرزانہ دھک سے رہ گئے، انہوں نے زندگی میں محمود کو اس قدر خوفزدہ پہلے کبھی شاید ہی دیکھا ہو گا، ابھی وہ یہ پوچھنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ کیا ماجرا ہے، محمود اچانک مڑا، اس کمرے سے باہر چھلانگ لگائی اور پھر بھلی کی طرح صدر دروازے کی طرف دوڑ پڑا، اس نے اپنے پیچے ڈاکٹر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

ارے ارے تمہارے والد نے کہا تھا۔

لیکن اتنی دیر میں وہ باہر نکل چکا تھا۔ یہ دیکھ کر فاروق اور فرزانہ کے ہوش اڑ گئے، ان کے ہاتھ پر پھول

گئے انہوں نے بھی آؤ دیکھا نہ
تاو ، دروازے کی طرف چھلانگیں لگا دیں
اور یہ جا وہ جا ڈاکٹر صاحب
ارے ارے ہی کرتے رہ گئے۔ پھر
دروازے کی طرف دوڑے کہ شاید انہیں
روک سکیں۔

جب وہ دروازے سے باہر نکلے تو
انہوں نے تینوں کو سڑک پر پاگلوں کی
طرح بہت دور دوڑتے دیکھا۔ وہ سر پکڑ
کر زمین پر کڑوں بیٹھ گئے، ان کے
منہ سے لگا۔

اف خدا یہ تینوں تو پاگل ہو
گئے ہیں۔

عین اس وقت انہوں نے ایک گاڑی
کے بریک چڑھانے کی آواز سنی۔
انہوں نے چونک کر دیکھا اور پھر
بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔



گھنٹی کی آواز نے پروفیسر داؤد کے ہوش اڑا دیئے۔ انہوں نے گھبرا کر شائستہ سے کہا۔

بیٹی! ہم دروازہ نہیں کھولیں گے۔

جی کیا مطلب؟

اس سے پہلے کہ وہ اندر داخل کرنا ہے۔ پروفیسر بولے۔
اور وہ کیا کام ہے۔
ایک ڈائری کو گھیں چھپانا ہے۔
انہوں نے جلدی سے کہا۔ کیا مطلب
کیسی ڈائری۔

ان باتوں کا وقت نہیں بیٹی
دشمن دروازے پر پنج چکے ہیں اور جب
وہ دیکھیں گے کہ ہم دروازہ نہیں کھول
رہے ہیں تو کسی اور طرح اندر گھنے

کی کوشش کریں گے۔

کاش اس وقت محمود، فاروق اور فرزانہ
یہاں ہوتے۔ تو آپ انپکٹر جمیلہ کو
کیوں نہیں بلا لیتے۔ اوہ ہاں! یہ ٹھک
ہے ، لیکن وہ تو پروفیسر ذاکر کی کوئی
کی طرف روانہ ہوچکے ہوں گے۔

تو آپ وہاں فون کر دیں۔ شائستہ
نے کہا۔
افسوس! میں یہی نہیں کر سکتا
وہاں تو محمود، فاروق اور فرزانہ خود
خطرے میں ہیں۔

ہوں تو پھر پولیس اسٹیشن کو
فون کر دیں اور انہیں ساری صورت
حال جلدی جلدی سمجھا دیں، اتنی دیر میں
دروازے پر جا کر انہیں باتوں میں لگاتی
ہوں۔

ہاں! یہ ٹھیک رہے گا، فرزانہ یہاں

ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی۔ انہوں نے کہا۔ پھر بولے۔

ٹھیک تم جاؤ میں پہلے فون کروں گا اور پھر ڈائری کو کسی جگہ چھپا دیں گا اس کے بعد ہم یہ سوچیں گے کہ انہیں اندر ہوئے داخل ہونے سے کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ اور اگر داخل ہوتے نظر آئے تو ہم کہاں چھپ سکتے ہیں۔
اچھا ابو۔ شائستہ نے کہا اور دروازے کی طرف چلی گئی۔ اسی وقت تیسری گھنٹی بجائی گئی اور اس مرتبہ کافی لمبی گھنٹی تھی۔

کیا بات ہے، کون ہے دروازے پر۔
شائستہ نے قدرے بلند اور جھنجھلانی ہوئی آواز میں کہا۔

دروازہ کھولو، ہمیں پروفیسر داؤد سے

ملنا ہے۔

لیکن وہ آرام کرنے کے لیے جا چکے ہیں۔ اس نے کہا۔ ہمیں ان سے بہت ضروری کام ہے، ان کی ایک چیز کے بارے میں بات کرنی ہے۔

اور وہ کیا کیا چیز ہے۔ شائستہ نے پوچھا۔

یہ ہم انہیں ہی بتا سکتے ہیں۔ باہر اچھی بات ہے۔ میں انہیں اطلاع دیتی ہوں، تمہارا نام کیا ہے۔

ناموں کو چھوڑا، تم دروازہ کھول کر پہلے ہمیں ڈرائیکٹ روم میں بٹھاؤ اور پھر پروفیسر کو جا کر اطلاع دو۔ باہر سے کہا گیا۔

مجھے افسوس ہے، میں ایسا نہیں کر سکتی۔ اور جب تک آپ نام نہیں

باتا کیں گے، میں انہیں آپ کی آمد کی اطلاع بھی نہیں دے سکتی۔ کیونکہ ان کی ہدایت یہی ہے۔

ٹھیک ہے ہمارے نام سرفراز، حامد اور شاکر ہیں۔ باہر سے جواب ملا۔

شائستہ مسکرا دی، وہ سمجھ گئی کہ نام فرضی بنائے گئے ہیں۔ وہ مڑی اور اندر آئی، پہاں پروفیسر داؤد منہ کھولنے کم صم بیٹھے تھے۔

ہم بڑی طرح پچس گئے ہیں بڑی ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے گئے ہیں اور یہ کوٹھی اب ہمارے لیے پنجھرہ بن گئی ہے۔ انہوں نے بتایا۔

اوہ! شائستہ دھک سے رہ گئی۔

وہ کیا کہتے ہیں۔ پروفیسر نے پوچھا۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کی ایک

چیز کے بارے میں بات کرنی ہے۔

اوہ! نہیں بیٹی ہم دروازہ نہیں کھولیں گے۔ اس طرح ہمیں کچھ وقت تو مل ہی جاتا ہے۔ وہ کوئی کے پچھلے حصے میں لگے پاپ کے ذریعے چھت تک آ سکتے ہیں۔

تم جلدی سے چھت کا زینہ بند کر دو، اس طرح وہ چھت سے بچے ہمیں آ سکیں گے۔ پروفیسر جلدی سے بولے۔

بہت اچھا۔ شاستر نے کہا اور دوڑتی ہوئی اوپر چڑھ گئی، پھر جلد ہی واپس آ گئی۔

کیا آپ وہ ڈائری چھپا چکے ہیں۔
ہاں! چھپا چکا ہوں، لیکن بیٹی میں تمہیں بتاؤں گا نہیں کہ کہاں چھپائی ہے۔

ٹھیک ہے، نہ بتانا بہتر ہے، نہ

جانے کیا چکر ہے اگر مجھے کچھ معلومات
حاصل ہو گئیں اور دشمن اندر آنے میں
کامیاب ہو گئے تو کہیں میں ڈر کر بتا
ہی نہ دوں۔

ہاں! اسی لیے میں نے کہا ہے کہ
بتاؤں گا نہیں۔ اسی وقت گھٹنی ایک بار
پھر بج اٹھی اور ان کے دل دھک
دھک کرنے لگے، کچھ دیر اسی طرح
گزر گئی۔ پھر انہوں نے دھم کی آواز
چھت پر سنی۔ وہ چھت پر آگئے ہیں بیٹی۔ پروفیسر
داود نے ڈرے ڈرے لبھ میں کہا۔

ہاں ابو..... اب ہم کیا کریں۔
شائستہ کے لبھ میں حست تھی۔ انہیں
نیچے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی،
زینہ بند ضرور ہے، لیکن وہ اوپر کوئی
رسی باندھ کر نیچے لٹک سکتے ہیں۔

اف خدا! اب کیا ہوگ ا۔

آؤ بیٹی! ہم اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جائیں اور خدا کو یاد کریں وہی ہماری مدد کرے گا، پروفیسر داؤد نے کہا۔

اور دونوں کمرے میں داخل ہو گئے، انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکیوں کی چٹکیاں چڑھا دیں، دونوں اپنے دلوں کی رہڑکنیں صاف سن رہے تھے، اچانک انہوں نے دھرم کی ایک اور آواز سنی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ان کے رنگ سفید پڑ چکے تھے اور چہروں پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔

وہ نیچے بھی اتر آئے بیٹی۔ پروفیسر کے منہ سے اس طرح نکلا جیسے وہ کسی اندھے کنوئیں میں سے بولے ہوں۔

ہاں ابو۔ شائستہ کے لب ہلے۔

اسی وقت دروازے پر کسی نے زور دار ٹھوکر ماری اور پھر دروازہ توڑنے کے لیے زور آزمائی ہونے لگی۔ دونوں تھر کاپنے لگے۔





دوڑنے کی رگ

شاید محمود کا دماغ چل گیا ہے۔
فرزانہ نے پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے
کہا۔

ہاں! تمھی تو ہمیں بھی چلا رہا ہے،
بلکہ دوڑا رہا ہے۔ فاروق بھی اس کے
ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔
لیکن یہ جا کہاں رہا ہے۔ فرزانہ
کے لمحے میں حیرت تھی۔
جن کا دماغ چل جائے، ان کے
بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ
وہ کہاں جا رہے ہیں۔ فاروق نے منہ
بنا کر کہا۔

ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، سوال یہ
ہے کہ کیا ہم بھی پاگل ہو چکے
ہیں۔ فرزانہ بولی۔
کیوں! تمہیں یہ خیال کیوں آیا۔

فاروق نے سوال کیا۔ اس لیے کہ ہم بھی تو اس کے پچھے بھاگ رہے ہیں۔ فرزانہ بولی۔

یہ تو ہمیں کرنا ہی پڑے گا۔ ہمیں یہ بھی تو دیکھنا ہے۔ محمود کیا کرتا ہے اور کہاں جاتا ہے، فاروق نے ٹھنڈی سانس بھری۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ محمود کا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔

فرزانہ نے اچانک کہا۔
تو پھر تمہارا دماغ چل گیا، کیونہ ابھی ابھی تم نے ہی کہا تھا کہ محمود کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ میں نے سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا تھا۔ فرزانہ مسکرائی۔

اچھا! یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ تم کچھ باتیں سوچے سمجھے بغیر بھی کہہ جاتی ہو۔

شکر کرو، معلوم تو ہو گئی۔ فرزانہ نے کہا۔

محمود نے ڈاکٹر صاحب سے بھی تو کہا تھا آپ نہیں جانتے، ایک ایسے شخص کی زندگی خطرے میں ہے جو ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔

ہاں! مجھے یاد ہے اور میں اس وقت سے یہ کون سوچ رہی ہوں، وہ کون ہے اے..... ارے کوئی واپسی پر میرے لئے محدود تو پروفیسر انگل کی نے چونک کر دیکھا۔

اوہ! فاروق بھی زور سے چونکا۔

درمیانی فاصلہ گھٹنے کی بجائے بڑھتا جا رہا ہے، کیا آج محمود کے پر نکل آئے ہیں۔ فرزانہ کے لمحے میں حیرت تھی۔

پر تو چیزوں کے نکل آیا کرتے

ہیں۔ فاروق بولا۔

وہ اور معنوں میں نکلتے ہیں، یہاں
بات دوسری ہے۔ تیری بھی ہو تو میں
کیا کر سکتا ہوں۔ آج ہم بھی رفتار
بڑھا دیں، تاکہ اس کے ساتھ ہی
پروفیسر انگل کے دروازے پر پہنچیں۔

فاروق نے کہا۔
لیکن رفتار کیسے بڑھا دیں، ہم تو
پہلے ہی پوری رفتار سے دوڑ رہے ہیں۔
فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔ کیا تم
یہ کہنا چاہتی ہو کہ محمود ہم دونوں
سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے۔ فاروق نے
جھلا کر کہا۔

کم از کم اس وقت تو دوڑ رہا
ہے۔ فرزانہ بولی۔ وہ اس لیے کہ اس
وقت اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں اور
جن لوگوں کی دماغی حالت ٹھیک نہیں

ہوتی، ان کی کوئی اور رگ تیز ہو جاتی ہے لہذا اس وقت محمود کی دوڑنے کی رگ تیز ہو گئی ہے۔ فاروق نے شوخ لمحے میں کہا۔

دوڑنے کی رگ اس رگ کا نام میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے۔ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

ابھی تو تم نہ جانے کتنی الیک رگوں کے نام سنوں گی، جن کے نام تم نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنبھالے۔ کچھی نہیں سنبھالے ہوں گے، شرارت کی تو خیرستی سنائی بات ہے اور شہ رگ کا بھی تمہیں پتا ہو گا، خدا تعالیٰ جس سے زیادہ نزدیک ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ اور رگیں ہوتی ہیں مثلاً بس بس جھے ان رگوں پر کوئی مضمون نہیں لکھنا۔

فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔ تم دوڑتے

ہوئے بھی مذاق سے باز نہیں آتے۔
کیوں، کیا دوڑتے ہوئے مذاق کرنے سے
کسی ڈاکٹر نے منع کر رکھا ہے۔ اس
وقت تو ڈاکٹر صاحب نے ہمیں دوڑنے
سے بھی منع کیا تھا، مگر ہم رکنے
والے کب ہیں۔

ہم تو نہیں۔ محمود کے بارے میں
ضرور کہہ سکتی ہو، ہم تو محمود کا
ساتھ دے رہے ہیں۔
لو بھی اب تو میں یقین سے
کہ سکتی ہوں کہ محمود کا رخ پروفیسر
انگل کی کوٹھی کی طرف ہے۔ فرزانہ
نے محمود نے کو مرتبے دیکھ کر کہا۔

سوال تو یہ ہے کہ پروفیسر انگل کو
کیا خطرہ ہو سکتا ہے، کیا وہ کوٹھی پہنچ
چکے ہیں، کیونہ وہ تو پروفیسر ڈاکٹر سے
ملنے ادھر آئے تھے، لیکن یہاں ان کی

کار نظر نہیں آئی، جس سے ہم اس
نتیجے پر پہنچے کہ وہ یہاں آئے ہی
نہیں لیکن اب میرا خیال ہے ، وہ
یہاں آئے تھے۔ فرزانہ یہ کہہ کر رک
گئی۔

آئے تھے اواہ ہاں ضرور یہی
بات ہو سکتی ہے۔ محمود کو نہ جانے
کیا چیز نظر آئی تھی، جس سے اس
نے یہ اندازہ لگایا کہ پروفیسر
پروفیسر ذاکر کے ہاں آئے تھے، خیر جلد
ہی اس سے معلوم ہو جائے گا، خدا
کے لیے رفتار بڑھاؤ۔

دونوں نے جہاں تک ممکن تھا، تیزی
سے دوڑنا شروع کر دیا، لیکن درمیانی
فاصلے کو وہ کسی طرح بھی کم نہ کر
سکے۔ دوڑتے ہوئے انہیں تقریباً بیس منٹ
گزر گئے، لیکن ابھی تک ان کا سانس

نہیں پھولا تھا، آخر پروفیسر داؤد کی
کوٹھی انہیں دور سے نظر آنے لے، محمود
زدیک پہنچتا نظر آیا۔

اور پھر انہوں نے دیکھا وہ
ドروازے کے زدیک پہنچ کر رک گیا
تھا، انہیں حیرت ہوئی۔ اندرونی کیوں
داخل نہیں ہوا۔ وہ لمحہ پروفیسر داؤد کی
کوٹھی



اچانک دروازے کے قبضے اکٹھ گئے
اور اس کا ایک پٹ دوسری طرف جا
پڑا۔ کمرے میں تین نقاب پوش اندر
داخل ہوئے، ان میں سے ایک کے ہاتھ
میں ایک ہیٹ تھا۔ اس نے ہیٹ پروفیسر
داود کی آنکھوں کے سامنے نچلتے ہوئے
کہا۔

کیوں
ہے نا؟
ہاں! تمہیں کہاں سے ملا۔ پروفیسر
صاحب کے منہ سے لگا۔

پروفیسر ذاکر کے ہاں سے۔ تم وہاں
کیا کرنے گئے تھے؟ اس نے پوچھا
میں وہاں اکثر جاتا رہتا ہے، پروفیسر
ذاکر میرے دوست ہیں، تم یہ کیوں
پوچھ رہے ہو، بات کیا ہے؟ انہوں نے

جلدی جلدی کہا۔

بات تو تم اچھی طرح سمجھتے ہو، ورنہ دروازے کیوں نہ کھول دیئے، لاو پروفیسر سیدھے ہاتھ سے وہ ڈائری نکال دو، ورنہ بہت دکھ اٹھانا پڑے گا۔ اس نے سفاک لجھ میں کہا۔
 کونسی ڈائری یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ پروفیسر میں میں بولے۔

تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو، جو میں کہہ رہا ہو۔ اس نے کہا۔
 میں نہیں جانتا، تم کس ڈائری کی بات کر رہے ہو۔ پروفیسر بولے۔
 وہی جو تمہیں پروفیسر ذاکر نے دی ہے اور لانے کی جلدی میں تم اپنا ہیٹ تک وہیں چھوڑ آئے ہو۔
 میرے پاس ایسی کوئی ڈائری نہیں۔

پروفیسر نے منہ بنا کر کہا۔ تو پھر کہا
ہے۔

میں کیا جانوں۔ کہا ہے۔
یہ ایسے نہیں مانے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر داؤد
نے اپنی ناک میں کوئی تیز بو گھستی
محوس کی، ان کا سر بڑی زور سے
چکرایا، وہ لڑکھڑائے اور پھر گرتے
گئے، گرتے گرتے ان کے منہ سے
نکلا۔

مم میری بچی۔

شائستہ چیخ مار کر تیزی سے ان کی
طرف بڑھی، فوراً ہی اس نے بھی وہی
بو محوس کی اور اس کا حشر بھی
پروفیسر داؤد جیسا ہوا۔

انہیں اٹھا لو۔ ہم ان سے یہاں کچھ
معلوم نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ کسی

وقت بھی پولیس یہاں پہنچ سکتی ہے۔
 پہلے نقاب پوش نے کہا۔
 بھلا پولیس یہاں کیا کرنے کے لئے گی؟ دوسرا بولا۔
 پروفیسر ذاکر کی لاش ملنے کے بعد وہ سیدھی یہیں آئے گی۔ تو پھر ٹھیک ہے چلو۔ ان دونوں کو اپنے اڈے پر لے چلتے ہیں۔ دوسرے نے کہا اور پھر ان میں سے دو نے مل کر پروفیسر کو اٹھایا اور تیرکے نے شاکستہ کو، تھوڑی دیر بعد وہ انہیں ایک کار پر لادے اڑے چلے جا رہے تھے۔



سفید کار

پروفیسر ڈاکر کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر انپکٹر جمشید کو حیرت اس بات ہوئی تھی کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو کوٹھی کے دروازے پر اکڑوں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔

خیر تو ہے جناب! انہوں نے ڈاکٹر کو اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔ آپ شکر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے منہ سے نکلا۔ بات کیا ہے؟ آپ کے پھولوں کو ہوش آ گیا ہے۔ انہوں نے بتایا۔ اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ انپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

لیکن جناب عجیب بات یہ ہوئی کہ محمود اٹھتے ہی واردات والے کمرے کی طرف دوڑ گیا، حالانکہ میں نے اسے لیٹنے کی ہدایت بھی کی تھی، لیکن اس

نے کہا کہ ایک ایسے آدمی کی زندگی خطرے میں ہے جسے ہم جان عزیز رکھتے ہیں۔

کیا یہ سن کر انپکٹر جمشید حیرت زده رہ گئے۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

پھر پھر کیا ہوا؟
پھر پھر فاروق اور فرزانہ بھی اس کے پیچھے چلے گئے اور اس کے بعد محمود دوڑتا ہوا کوئی سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے فاروق اور فرزانہ بھی دوڑے، میں نے انہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن روک نہ سکا، ان کے پیچھے دوڑتا ہوا یہاں تک آیا اور پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا۔

کیوں سر پکڑ کر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔ انپکٹر جمشید حیرت زده لجھ

میں بولے۔ کیا آپ نہیں سمجھے۔ جی
نہیں۔ میرا خیال ہے، ان کے دماغوں پر
اس زہریلی گیس کا اثر ہو گیا ہے۔
جس سے انہیں بے ہوش کیا گیا تھا۔
وہ کس طرف گئے ہیں۔ اس سڑک پر
گئے ہیں، اب آگے جا کر کس طرف
مزدہ ہوں گے، میں کہہ نہیں سکتا۔
خیر آپ فکر نہ کریں، میں انہیں
تلاش کر لوں گا۔ ان کے دماغ پر
کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ضرور کسی خاص
وجہ سے دوڑے ہیں، گیا باقی لوگ بھی
ہوش میں آ گئے ہیں۔

جی ہاں ہوش میں تو آ گئے
ہیں، لیکن ابھی مکمل طور پر نہیں۔
بہت خوب، محمود نے لاش والے
کمرے میں جا کر کیا چیز کی تلاش
کی تھی۔ اس نے اندر موجود ماہرین سے

کچھ پوچھا تھا۔

بہت خوب..... پھر تو ان سے معلوم کرنا پڑے گا کہ اس نے کس چیز کے بارے میں پوچھا تھا۔ اتنا کہہ وہ اکرام کو باہر چھوڑ کر اندر داخل ہوئے اور سیدھے لاش والے کمرے میں پہنچے، یہاں ماہرین ابھی تک موجود تھے۔ محمود نے آپ سے کس چیز کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ ایک ہیئت کے بارے میں پوچھ رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ جب انہوں نے کمرے میں لاش کو دیکھا تھا اس وقت ایک ہیئت میز پر رکھا تھا اور دوسرا فرش پر موجود تھا جو پروفیسر ذاکر کا تھا۔

اوہ! تو کیا بعد میں وہ ہیئت اس کمرے میں نہیں ملا۔ انپکٹر جمشید کے لجھ میں حیرت تھی۔

بھی نہیں! صرف ایک ہیت ہی اس کمرے سے ملا ہے۔ اس نے بتایا۔

انپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے، پھر انہوں نے جلدی سے پروفیسر داؤد کے نمبر ڈائل کیے۔ لیکن سلسلہ نہ ملا، فوراً ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ کہ دوسرے طرف کے تار کے ہوئے ہیں۔

وہ پریشان ہو گئے، ریسیور جلدی سے کریڈل میں پھنسا اور باہر کی طرف دوڑنے لگے، ڈاکٹر صاحب نے جو انہیں بھی محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرح دوڑتے دیکھا تو مارے حیرت ان کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں او روہ ایک بار پھر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں انپکٹر جمشید باہر نکل چکے تھے اور صرف چند سکینڈ بعد جیپ میں سوار پروفیسر داؤد کی طرف رخ کر رہے





کیا بات ہے تم رک کیوں گئے۔
فاروق نے نزدیک پہنچنے پر کہا۔
اوہ! تم بھی آ گئے۔ محمود چونکا۔
تم ہمارے آنے کی بات چھوڑو۔ یہ
 بتاؤ اندر کیوں داخل نہیں ہوئے جب
 کہ اتنی دوڑ سے دوڑ لگاتے رہے
 ہو۔

اب اندر کیا ملے گا۔
دیکھو یہ اس نے
شائستہ کا ایک سیندل۔ اس نے
ایک طرف اشارہ کیا۔

اوہ! تو کیا انہیں یہاں سے لے جایا
جا چکا ہے۔ فاروق کے منہ سے لکلا۔
یہی معلوم ہوتا ہے، آؤ اندر ایک
نظر ڈال لیں، میں نے یہاں پہنچتے ہی
ایک کار کا باعث طرف سڑک پر جاتے
دیکھا تھا اور اس کا رنگ سفید تھا،

محمود نے بتایا۔

تو پھر اندر جانے کی ضرورت نہیں،
 جلدی سے کوئی ٹیکسی پکڑ لو۔ فرزانہ
 نے بوکھلا کر تجویز پیش کی۔

ہاں! یہی ٹھیک رہے گا، ہم اسی
 سمت میں چلیں گے جس طرف سفید کار
 گئی ہے، فاروق نے کہا۔
 انہوں دوڑائیں، دوڑ دوڑ تک کوئی ٹیکسی
 تھی۔

کیا خیال ہے، فاروق دوڑ لگا دیں۔
 محمود نے کہا۔

افسوس! میری رفتار کار سے بہت کم
 ہے۔ فاروق بولا۔ لیکن کار آگے جا کر
 کہیں نہ کہیں رک جائے گی، ہو سکتا
 ہے، کہیں ہمیں نظر آ جائے، ٹیکسی کے
 انتظار میں یہاں کھڑے رہنا کہاں تک

مناسب ہے۔ تو پھر آئے فرزانہ بولی اور
تینوں دوڑنے لگے۔

اچانک انہیں سامنے سے ایک میکسی
آتی نظر آئی، ان کے چہرے کھل اٹھے،
میکسی ڈرائیور نے انہیں بے تحاشا دوڑتے
دیکھ کر بریک لگانے اور سڑک کے
کنارے کرتے ہوئے کھڑکی میں سے سر
باہر نکال کر پوچھا۔
کیا بات ہے بھی۔

تینوں نے جواب میں ایک لفظ بھی
نہ کہا اور میکسی کا پچھلا دروازہ کھول
کر اس میں بیٹھ گئے اور پھر محمود نے
کہا۔

جس طرف سے آپ آئے ہیں، اس
طرف چلنے ایک بہت ضروری معاملہ
ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس سمت میں
ایک سفید رنگ کی کار گئی ہے، اس

کار میں ملک کے مشہور و معروف
 سائنس دان پروفیسر داؤد اور ان کی بیٹی
 کو انداز کر لیا گیا ہے، اگر آپ تیز
 رفتار سے چلیں گے تو ہم آسانی سے
 اس تک پہنچ سکتے ہیں اور اس طرح
 آپ ملک کے کام آئیں گے، آپ کو
 ہم پورا پورا مل بھی ادا کریں گے، اور
 حکومت سے تعریفی مشقیکیت بھی دلوائیں
 گے بلکہ شاید کوئی شاندار قسم کا انعام
 بھی دلو دیں۔

آپ لوگ ہیں کون؟
 ہم وقت ضائع نہ کرنے کے
 لیے بتا دیتے ہیں، ہم انپکٹر جمیلہ کے
 پیچے ہیں، شاید آپ نے ان کا نام سنا
 ہو گا

ہاں ! سنا ہے، میں اب ضرور چلوں
 گا اور جس قدر تیز آپ کہیں گے

گاڑی چلاوں گا، چاہے کچھ ہو جائے۔
اس نے پر جوش لجھ میں کہا۔
بس تو پھر چلنے۔

اس نے ٹیکسی موڑی اور فل سپیڈ
پر چھوڑ دی ، ان کی نظریں سڑک پر
دور تک جمی تھیں کہ شاید کہیں سفید
کار نظر آ جائے، لیکن اس کا دور دور
تک پتا نہیں تھا۔ ٹیکسی تقریباً پندرہ
منٹ تک اس رفتار سے دوڑتی رہی۔
آخر ڈرائیور نے کہا۔

اب کیا کریں جناب خدا جانے
وہ کار کس سڑک پر مڑ گئی ہے۔
ڈرائیور نے پوچھا۔

یہ سڑک کون سی ہے؟ فرزانہ نے
کچھ سوچ کر کہا۔
تیمور روڈ۔

بہت خوب! ہم میں سے دو کو

بیہیں اتار دیں اور ایک کو واپس اسی
جگہ لے چلیں جہاں سے لے کر روانہ
ہوئے تھے۔ فرزانہ نے کہا۔
کیا مطلب؟ محمود اور فاروق نے بیک
وقت کہا۔

مطلب یہ کہ تم دونوں بیہاں اتر
کر سفید کار تلاش کرنے کی کوشش
کرو، اس سڑک پر مڑنے والی گلی
کا جائزہ لے ڈالو، ضرور سفید کار
نہ کسی گلی میں مڑی ہے، جس گھر
کے سامنے وہ کار نظر آ گئی، بس
سمجھ لو، کام بن گیا۔ اس نے کہا۔
لیکن سفید کاریں تو اس شہر میں نہ
جانے کتنی ہوں گی
فاروق نے جھلا کر کہا۔

ہاں! لیکن اس سڑک پر ایک یا
دو سے زیادہ نہیں ہوں گی، سفید رنگ

دوسرا رنگوں کی نسبت کم ہوتا ہے، فرض کرو، دو کاریں یا تین کاریں بھی نظر آ جائیں تو تم ان سب کو چیک کرو گے، یہ پروفیسر انگل کی زندگی کا سوال ہے۔ فرزانہ جلدی جلدی کہتی چلی گئی۔ اس پر فاروق کا منہ بن گیا۔

اس نے کہا۔ تو پھر تم کس خوشی میں واپس جا رہی ہو، تم بھی ہمارے ساتھ سفید کار کیوں تلاش نہیں کرتی۔

میں وہاں جا کر ابا جان کو ساتھ لے کر یہاں آؤں گی، تاکہ ہم جیپ اور موڑ سائیکل کے ذریعے اس کار کو اور بھی دور دور تک تلاش کر سکیں۔

تجویز نہایت معقول ہے۔ محمود نے جلدی سے کہا۔

بہت اچھا۔ اگر یہ معقول تجویز ہے

تو پھر اترو نیچے۔ فاروق نے کہا اور دونوں نیچے اتر آئے، ڈرائیور فرزانہ کو لے کر واپس روانہ ہو گیا اور وہ دونوں ایک ایک گلی میں داخل ہوتے اور کھڑی ہوئی کاروں کا جائزہ لیتے آگے بڑھنے لگے، اندر ہیرے میں سفید کاروں کو دیکھنا بھی ایک مشکل کام تھا، لیکن ان کے پاس کاروں کا جائزہ لیتے رہے اور ڈال کر کاروں کا جائزہ لیتے رہے پھر ان کا سر چکرانے لگا، کیونکہ ایک گلی میں انہیں دو سفید کاریں نظر آئیں۔ اور ایک اور گلی میں بھی ایک سفید کار کھڑی دکھائی دی۔

اگر ہم نے اس سڑک کی تمام گلیاں دیکھے ڈالیں تو شاید پندرہ بیس سفید کاریں تو نکل ہی آئیں گی۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

فکر نہ کرو۔ پہلے ہم سب کا سرسری نظر سے جائزہ لیں گے، شاید کسی کار میں کوئی خاص بات نظر آ جائے، مثلاً شائستہ کی کوئی چیز یا پروفیسر داؤد کی کوئی چیز کسی کار کے آس پاس یا پھولی سیٹ پر نظر آ جائے تو یہ کس قدر شاندار کامیابی ہو گی۔ محمود کہتا چلا گیا۔

ہاں! بہت شاندار ہو گی، لیکن با توں میں وقت ضائع کرنے سے یہ شاندار کامیابی شاید ہمارے ہاتھ نہ لگے۔ فاروق نے کہا۔

یہ تم کہہ رہے ہو فاروق۔ محمود کے لجھ میں حیرت تھی۔ ہاں! کیونکہ یہ پروفیسر انگل اور شائستہ کی زندگی کا معاملہ ہے۔ فاروق نے پر جوش لجھ میں کہا اور پھر دونوں کاروں کا جائزہ لیتے

ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ
ایک بہت مشکل کام تھا، کیوں کر
کاریں بے شمار تھیں اور یوں لگتا تھا
جیسے فرزانہ انہیں چکر دے گئی ہو، اگر
یہ معاملہ پروفیسر داؤڈ کا نہ ہوتا تو جھلا
کر واپس لوٹ جاتے، لیکن اب وہ ایسا
نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے ہمت نہ
ہاری، اور ایک اور کار کی طرف بڑھنے
لگے، یہ تو انہیں نزدیک پہنچنے پر پتا چل
سکتا تھا کہ وہ سفید ہے یا نہیں۔



ڈائری کھاں ہے

تیمور روڈ کی ساتویں گلی اور گیارہویں عمارت کی تیری منزل کے درمیانی کمرے میں اس وقت پروفیسر داؤد اور شاستر دو کرسیوں سے بندھے ہوئے تھے ، ان کے علاوہ کمرے میں پانچ نقاب پوش اور ایک آدمی بغیر نقاب کے موجود تھے۔ اس کا رنگ سرخ تھا، آنکھیں نیلے رنگ کی اور ناک مولیٰ پکوڑا سی تھی، وہ ایک میز کے پیچھے کرسی پر اس طرح بیٹھا تھا جیسے کسی سرکاری دفتر میں بڑے عہدے پر ملازم ہو اور اس کے سامنے اس کے ماتحت کھڑے ہوں۔

دیکھو پروفیسر اگر تم صرف اتنا بتا دو کہ وہ ڈائری کھاں رکھی ہے تو ہم تمہیں فوراً چھوڑ دیں گے، دوسری

صورت میں بہت برقی طرح پیش آئیں گے۔ مولیٰ ناک والے نے کہا۔

میں کہہ چکا ہوں کہ ڈائری میرے
پاس نہیں ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ
ڈائری تمہارے پاس ہے، یہ بتا دو، تم
نے اسے اپنے گھر میں کس جگہ چھپایا
ہے۔

The image shows a decorative page border with a repeating pattern of stylized leaves and geometric shapes in red and gold ink on a light cream or off-white background. Along the right edge of the border, the name 'Mehmood' is written vertically in a bold, black, serif font.

بسا! یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔
ب سے آگے کھڑے ہوئے نقاب پوش
نے کہا۔

ٹھیک ہے جس طرح بھی یہ مانیں
مناؤ، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ باس
نے مسکرا کر کہا۔

چلو جہانگیر پروفیسر کی بیٹی کے

سر پر شکنجه کس دو، تم شکنجه کا ہینڈل
اس وقت تک گھماتے رہنا جب تک
پروفیسر زبان نہ کھولے۔

بہت بہتر جناب! یہ کہہ کر جہانگیر
نامی نقاب پوش آگے بڑھا، اس کے ہاتھ
میں لوہے کی کمانیوں سے ایک عجیب
و غریب آں تھا، اس نے آں آں
شائستہ کے سر کے گرد کس دیا،
کا رنگ سفید پڑ گیا۔
نہیں نہیں، پروفیسر داؤد
چالے، لیکن شائستہ نے ایک لفظ بھی
منہ سے نہ کہا۔

ظلم تو تم خود اپنے اوپر کرا رہے
ہو۔ اگر ڈائری کا پتا بتا دو تو ہم
تمہیں فوراً چھوڑ دیں گے۔

لیکن میری بیٹی کا کیا قصور، تم نے
شکنجه اس کے سر پر کیوں ہے، میرے

سر پر کسو نا۔ پروفیسر داؤد تملک کر بولے۔

اس لیے کہ باپ اپنی تکلیف تو برداشت کر سکتا ہے، لیکن اپنی اولاد کی تکلیف برداشت کرنا اس کے لیے نامکمل ہے، جب شنبجے کو سکھا جائے گا تو تمہاری بیٹی کو اپنا سر تڑختا محسوس ہو گا، اس کی چیزیں تمہارے سینے کے اندر ہل چل چاہیں گی، اس کے منہ سے نکلنے والی سسکیاں تمہاری زبان کو فوراً کھوں گی اور تم قفر بول اٹھو گے، تم ہمیں بتاؤ گے کہ ڈائری کس جگہ چھپا رکھی ہے۔ باس کہتا چلا گیا۔ دیکھو یہ ظلم نہ کرنا جو کچھ کرنا ہے، میرے ساتھ کرو۔ پروفیسر نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

اس شنبجے کی تکلیف برداشت کرنا

بوڑھوں کا کھیل نہیں تم تو فوراً ہی
بے ہوش ہو جاؤ گے۔ پھر بھلا ہم
ڈاری کا پتا کس سے معلوم کریں گے۔
اس نے کہا۔

اف خدا یہ ہم کس مصیبت
میں پھنس گے۔ پروفیسر داؤد کے منه
سے لگا۔

ابو ! گھٹی آواز میں کہا۔
یا خدا رحم فرمایا پروفیسر داؤد بولے۔

رحم تو تم پر ہم بھی کرنے کے
لیے تیار ہیں۔ تم بات ہی نہیں بتاتے۔
باس نے جھلا کر کہا۔

نہیں نہیں وہ ڈاری میرے پاس
نہیں ہے۔

تو پھر کس کے پاس ہے۔ اس نے
جلدی سے پوچھا۔

پروفیسر ذاکر ہی بتا سکتے ہیں۔ پروفیسر بولے۔

وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں
اور اگر تم نے ڈائری کا پتا نہ بتایا تو
اب تمہاری باری ہے، لیکن تم سے پہلے
تمہاری بیٹی کو سکا سکار کر مارا جائے
گا اور تم یہ سب اپنی آنکھوں سے
دیکھو گے۔

نہیں! پروفیسر داؤد حلقے کے بل
گر جے، پھر پھنسی پھنسی آواز میں بولے۔
تم نے میرے دوست کو ختم کر
دیا، اف خدا وہ اس وطن کا کتنا
ہمدرد تھا، اس نے کتنی مفید چیزیں ایجاد
کیں، تم تم ضرور وطن دشمن
ہو۔

ان باتوں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں
ہو گا۔ باس نے غرا کر کہا۔ جہانگیر

تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ شکنخ
کو کیوں نہیں کہتے۔

جہانگیر کے ہاتھ حرکت میں آگئے۔
شکنخ میں لگا سیاہ رنگ کا ہینڈل گھونٹے
لگا، شائستہ کی کھوپڑی بھینچنے لگی۔ اس
کے بدن میں تھرٹھری دوڑ گئی، پروفیسر
نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔
شائستہ نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے دبا
لیے کہ اس کے والد کے کانوں تک
اس کی چیزوں کی آواز نہ پہنچے، لیکن
کب تک، آخر اس کے منہ سے دل
دوڑ چیخ نکل گئی، پھر تو چیزوں کا
سلسلہ شروع ہو گیا۔

باس ! کیا چیزوں کی آواز عمارت
سے باہر نہیں جائے گی۔ سب سے
اگلے نقاب پوش نے کہا۔ نہیں جائے
گی، اس کمرے کے سب دروازے اور

کھڑکیاں بند ہیں، ان پر بھاری پردے
پڑے ہیں اور اگر تم زیادہ ہی احتیاط
کرنا چاہتے ہو تو انگریزی گانوں کی
کوئی ٹیپ لگا دو، اس سے بے ہنگم شور
پیدا ہو گا اور کوئی یہ نہ جان سکے
گا کہ اس بے ہنگم شور میں کسی کی
چیزیں بھی شامل ہیں۔ باس نے ترکیب
بتائی۔

لا جواب ترکیب ہے۔ نقاب پوش نے
خوش ہو کر کہا۔
کرے میں بے شکا شہ شور گونجئے
گا، اس میں مردوں اور عورتوں کی چیزیں
بھی شامل تھیں اور ان چیزوں میں
شائستہ بے چاری کی چیزیں اس طرح گم
ہو گئیں جیسے دریا میں کوئی قطرہ۔ اور
پھر پروفیسر داؤد کے صبر کا پیاناہ لبریز
ہو گیا۔ وہ حلق پھاڑ کے پوری طاقت

سے بولے۔

بند کرو یہ ظلم، میں ڈاری کا پتا بتاتا ہوں۔

ٹیپ بند کر دی گئی، کمرے میں ایک لمحے کے لیے موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ باس چند سکینڈ تک پروفیسر کو مسکرا کر دیکھا رہا، آخر بولا۔

تو پھر پروفیسر ذاکر تمہیں ڈاری دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور میرے آدمی عین اس وقت وہاں پہنچ تھے جب تم وہاں سے نکل چکے تھے کیوں ٹھیک ہے نا، اور تم اپنا ہیئت پروفیسر ذاکر کے کمرے میں بھول گئے تھے۔

ہاں! یہ سب کچھ ٹھیک ہے، جب میں ڈاری لے کر ان کی کوٹھی سے باہر نکل کر اپنی کار میں گیا اور کار کو سڑک پر بھی لے آیا تھا تو میں

نے پانچ سایوں کو دوسری طرف سے آتے دیکھا، میں کچھ دور آگے جا کر رک گیا، پھر میں نے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں، کیونکہ پروفیسر ذاکر مجھے بتا چکے تھے کہ وہ خطرے میں ہیں، لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خطرے کا احساس انہیں کس طرح ہو گیا تھا۔

وہ تمہیں میں بتا دیتا ہوں۔ باس نے کہنا چاہا تھا کہ پھر کسی خیال سے رک گیا اور بولا۔ لیکن نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم تو فوراً سے پہلے یہ بتاؤ کہ ڈاری کہاں ہے۔

ڈاری میرے ابو! شائستہ زور سے چھپنی۔ خدا کے لیے ابو نہ بتائیں ملک کی ایک اہم ایجاد کو دشمنوں کے حوالے نہ کریں۔

کیا کروں بیٹی! مجھ سے تم پر یہ
ظلم نہیں دیکھا جاتا۔ پروفیسر بے چارگی
کے عالم میں بولے۔

تو آنکھیں بند کر لیں۔ شائستہ بولی۔
میرے کان تو پھر بھی کھلے رہیں
گے، کیونکہ میرے ہاتھ بندگے ہیں اور
اگر میں کسی طرح اپنے کان بند بھی
کر لوں تو اس احساس سے کس طرح
پیچھا چھڑاؤں گا کہ میری پچی پر پر
تحاشہ ظلم ہو رہا ہے۔
آپ ایک بیٹی کی خاطر پوری قوم
کو کیوں خطرے میں ڈال رہے ہیں۔
شائستہ بولی۔

میں کیا کروں، باپ ہوں، میرا کیجہ
پھٹا جا رہا ہے۔ اگر یہ لوگ یہ ظلم
مجھ پر توڑتے تو میں کبھی انہیں ڈاڑھی
کا پتا نہ بتاتا۔

اب باتوں میں وقت ضائع نہ کرو،
 پہلے ڈاڑھی کا پتا بتا دو، پھر باتیں
 کرتے رہنا، کیونکہ پھر ہم تمہیں باتیں
 کرنے کے لیے بہت وقت دیں گے، تم
 اس وقت باتیں کرتے رہنا، جب تک
 کہ میرے ساتھی ڈاڑھی حاصل کر کے
 واپس نہیں آ جائیں گے۔

ڈڈ ڈاڑھی پروفیسر

منہ لکلا ہی تھا کہ شاستھ پھر چینی۔

ٹھہریئے ابو خدا کے لیے ڈاڑھی کا
 پتا نہ بتائیے۔

جہانگیر ! اس لڑکی کا منہ بند کر
 دو۔ اب اس کے حلق سے آواز نہ
 نکلے۔ باس نے غرا کر کہا۔ جہانگیر نے
 اپنا ہاتھ شاستھ کے منہ پر مضبوطی سے
 جما دیا، یہ دیکھ کر باس نے کہا۔ ہاں!
 پروفیسر اب بتاؤ ، ڈاڑھی کہاں





انپکٹر جمشید اور اکرام جیپ سے اتر کر تقریباً دوڑتے ہوئے پروفیسر داؤد کی کوٹھی میں داخل ہوئے، ان کی نظر باہر پڑے شاستہ کے سینڈل پر نہیں پڑی تھی اندر داخل ہوتے ہی انپکٹر جمشید کو فوراً احساس ہو گیا کہ کوٹھی میں کوئی بھی موجود نہیں۔

اکرام اندر کوئی نہیں ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اکرام کے منه سے لگا۔

اوہ دیکھیں۔

وہ اندرونی حصے میں داخل ہوئے اور پھر چونک اٹھے۔ پروفیسر داؤد کے کمرے میں چیزیں درہم برہم پڑی تھیں۔ صاف ظاہر ہے انہیں انخوا کیا گیا ہے۔

لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں

گئے؟ اکرام نے سوال کیا۔

ہو سکتا ہے، وہ ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے ہوں۔ اور اب ہم بھی یہی کریں گے۔ لیکن ہمیں کیا معلوم وہ کس طرف گئے ہیں۔

پورے شہر کی پولیس صرف چند منٹ بعد سڑکوں پر نکل آنی چاہیے، کسی بھی کار کو سلاشی لیے بغیر گزرنے نہ دیا جائے۔ انپکٹر جمیلہ بوئے نہیں کیا جا سکتا۔

ٹھیک ہے، یہاں سے نزدیک ہی ایک پڑوں پپ ہے میں وہاں سے فون کروں گا اور اس کے بعد ہم روانہ ہوں گے۔

تو پھر آئے چلیں۔

دونوں باہر نکلے ہی تھے کہ ٹھیک کر رک گئے۔ اسی وقت ایک ٹیکسی آ

کر وہاں رکی تھی، پھر انہوں نے فرزانہ کو ٹیکسی سے باہر نکلتے دیکھا۔

ارے، فرزانہ تم انپکٹر جمیلہ کے منہ سے نکلا۔ محمود اور فاروق کہاں ہیں۔

تیمور روڈ پر کیا
مطلب وہ وہاں کیا کر رہے ہیں۔
ان کے منہ سے نکلا۔ پروفیسر انکل
شائستہ کو اغوا کر کے اسی طرف لے
جایا گیا ہے۔
بہت خوب! اب ہمیں فوری طور پر
فون کر کے اس مرک کو گھیرے میں
لینے کی ہدایت دینی چاہیے۔ انپکٹر جمیلہ
خوش ہو کر بولے۔

پھر انہوں نے ٹیکسی ڈائیور کو بل سے بہت زیادہ رقم دیتے ہوئے کہا۔

تم کل مجھ سے ۲ کر ملنا۔ وہ

رخصت ہو گیا تو جیپ میں بیٹھ کر پڑول پپ پ پہنچے اور فون کرنے کے بعد چہانگیر روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔
 ہاں! فرزانہ اب بتاؤ یہ چکر کیا ہے، کہاں سے شروع ہوا تھا، کیونکہ اس وقت تم مجھ سے آگے آگے رہے ہو اور میں تمہارے پیچے، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ پروفیسر ذاکر کیوں مار ڈالے گئے، تم لوگ وہاں کس طرح جا پہنچے تھے۔ پروفیسر داؤڈ کا اس واقعے سے کیا تعلق ہے اور انہیں کیوں اغوا کیا گیا ہے۔

ان تمام باتوں کے تسلی بخش جواب تو میں خود بھی دینے سے لاچا رہوں، اتنا بتا سکتی ہوں کہ ہم پروفیسر انگل اور شاستر سے باتیں کر رہے تھے۔ اچانک پروفیسر ذاکر کا فون آیا، پروفیسر

انگل نے ہمیں بتایا کہ پروفیسر ذاکر نے انہیں فوری طور پر بلایا ہے، وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہے ہیں، بس انگل ادھر چلے گئے، ان کے بعد ہم بھی وہاں بیٹھے نہ رہ سکے۔ اور پروفیسر ذاکر کی کوٹھی تک پہنچ گئے، اندر داخل ہوئے تو ان کی لاش پڑی تھی اور البتہ محمود کو اس کمرے میں ان کا ہیٹ ضرور نظر آیا تھا۔ پھر کمرے میں چار نقاب پوش 2 گئے، وہ اس وقت تک کوٹھی اور تجربہ گاہ میں کوئی چیز ملاش کرتے رہے تھے، ہماری ان سے جھپڑ پھولی اور پھر ہمیں کسی گیس کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا، ہوش آیا تو محمود ہیٹ دیکھنے کے لیے جھپٹا اور پھر وہ پروفیسر انگل کے گھر کی

دوڑ پڑا، میں اور فاروق بھی پچھے دوڑے
لیکن انہیں یہاں سے لے جایا جا چکا
تھا، تاہم محمود کو سفید کار سامنے والی
سرٹک پر جاتی نظر ۲ گئی تھی، ہم ایک
ٹیکسی میں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ
تیمور روڈ کے آخری سڑک تک پہنچ
گئے، خیال یہی ہے کہ وہ کار تیمور
روڈ ہی کی کسی نہ کسی گلی میں
کو گئی ہے، اب میں محمود اور فاروق کو
اس کار کی تلاش پر مأمور کر کے
یہاں آئی ہوں، تاکہ آپ کو حالات
سے ۲ گاہ کیا جا سکے اور آپ بھی
ہمارے ساتھ شامل ہو سکیں۔ یہ کہہ
کر فرزانہ خاموش ہو گئی۔

لیکن تم نے یہ کس طرح اندازہ لگا
لیا کہ میں یہاں پہنچنے والا ہوں۔ انپکٹر
جمشید بولے۔

ڈاکٹر صاحب کو آپ ہدایت کر کے گئے تھے کہ ہم وہیں ٹھہریں، اس کا مطلب یہی تھا کہ آپ واپس وہیں آئیں گے۔

ہوں ٹھیک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، یہ کسی ایجاد کا چکر ہے، اس ایجاد کی سن گن دشمن ملک کے جاسوسوں کو ہو گئی ہو گی۔ بس وہ ان کے پچھے لگ گئے پہلے انہوں نے ایجاد خریدنے کی پیش کش کی ہو گی اور ان کے انکار پر انہوں نے ایجاد زبردستی حاصل کرنے کا پروگرام بنایا ہو گا۔

سوال تو یہ ہے کہ انہیں ایجاد کے بارے میں معلوم کس طرح ہو گیا۔ اکرام نے کہا۔ پروفیسر ڈاکٹر کے کسٹمٹ نے غداری کی وہ گی، یا اسے کوئی بھاری رقم دے کر اس سے

معلومات حاصل کی ہوں گی کہ آج
کل پروفیسر کس تجربے پر کام کر
رہے ہیں ہمارے ہاں نجانے کتنے
غدار ہیں، اگر مسلمانوں میں غدار نہ
ہوتے تو آج یہ قوم نہ جانے کہاں
ہوتی۔ ٹپو سلطان جیسے زبردست جرنیل کو
غداروں کے باதھوں شکست کا منہ دیکھنا
پڑا۔ سراج الدولہ بھی مارا گیا
کے مسلمان غدار کا شکار ہوئے
..... یہ ایک لمبی سمجھت ہے، انہیں کسی
نہ کسی ذریعے سے تو معلوم ہوا ہی ہو
گا، اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ کم از
کم پروفیسر ذاکر نے انہیں کچھ نہیں بتایا
ہو گا۔ انپکٹر جمیلہ جذباتی آواز میں کہتے
چلے گئے۔

لیکن ابا جان، یہ بھی تو ہو سکتا
ہے کہ دشمنوں نے پروفیسر ذاکر کے

کسی مضمون سے اندازہ لگایا ہو کہ وہ آج کل کس ایجاد کی فکر میں ہیں، ان کے مضامین سائنسی رسالے میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ہاں! اس کا امکان ہے خیر کوئی بات نہیں، یہ تو ہم بعد میں بھی معلوم کر لیں گے، اس وقت تو مسئلہ پروفیسر داؤد تک پہنچنے کا ہے۔ اگر اس ایجاد کا فارمولہ اب پروفیسر داؤد کے پاس ہے تو وہ مصیبت میں ہوں گے، بلکہ ان کے ساتھ شائستہ بھی مصیبت میں گرفتار ہو گی..... دشمن کہیں ان پر ظلم توڑ کر اس ایجاد کے فارمولے کا پتا نہ ڈھونڈ لیں۔

یہ کہہ کر انپکٹر جشید خاموش ہو گئے، اسی وقت جیپ ایک موڑ مڑی اور تیمور روڈ شروع ہو گیا۔

یہاں سے ہمیں دونوں طرف کی
گلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھنا
ہے۔ انپکٹر جمشید بولے۔

میں دائمی طرف کی گلیوں میں نظر
ڈالتی ہوں اور آپ بائیں طرف دیکھیں،
انگل اکرام سامنے پر نظر رکھیں
گے۔ یہ کہتے وقت فرزانہ مسکرانی تھی ،
جس کا جواب اکرام نے بھی مسکرا کر
دیا، اب جیپ کی رفتار آہستہ
گئی تھی، اچانک فرزانہ کے کان کھڑے
ہو گئے، اس کی پیشائی پر میں پڑ گئے۔
رات کے وقت اتنے زور سے ریڈیو
کون بجا رہا ہے، انگل ذرا روکیے۔

ہاں! شور کی آواز تو میرے کانوں
میں بھی آ رہی ہے اور غالباً دائمی
طرف کی اس گلی کے کسی مکان سے
آ رہی ہے۔ انپکٹر جمشید سوچتے ہوئے بولے،

پھر چونک اٹھے اور انہوں نے کپکپاتی
آواز میں کہا۔

اوہ! جلدی سے جیپ اس گلی میں
لے چلو۔

جونہی وہ گلی میں ٹرے اور جیپ
کی روشنی گلی میں پڑی۔ دو لڑکے اچھل
کر سیدھے ہو گئے، وہ ایک کار کے
پاس جھکے ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا، وہ
 محمود اور فاروق تھے۔



کامیابی کا زینہ

تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ انپکٹر جمشید نے دھیکی آواز میں پوچھا۔ ہم اس کار کا جائزہ لے رہے ہیں، یہ سفید رنگ کی تو ہے ہی۔ اس کے اندر ایک سینڈل بھی پڑا نظر آ رہا ہے، جو شائستہ کا ہے، ایسا ہی ایک سینڈل ہمیں انگل کی نظر کوٹھی کے دروازے پر پڑا۔ محمود نے کہا۔

بہت خوب! اس کا مطلب ہے، ہم نزدیک پہنچ گئے۔ انپکٹر جمشید بولے۔

لیکن آپ ایک دم اس گلی میں کیسے اپ پہنچے۔ محمود کے لجھے میں حیرت تھی۔

کیا تم یہ شور نہیں سن رہے ہو؟

انپکٹر جمشید بولے۔ جی ہاں ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر لگا ہوا ہے، تو پھر کیا ہوا،

یہ تو آج کل عام فیشن ہے، ریڈ یو
 اور ٹیپ ریکارڈر اونچی سے اونچی آواز
 میں لگائے جاتے ہیں تاکہ محلے میں کوئی
 سکون سے سونہ سکے، طالب علم پڑھ
 نہ سکیں اور بیمار لوگ چین کا سانس
 نے لے سکیں، اس میں عجیب بات کیا
 ہے ابا جان یہ تو ہماری نئی
 کے نئے فیشن کے نوجوانوں کا
 شوق سے دوسروں کو تکلیف
 پہنچتی ہے، اس کی وجہ
 ہے تو پہنچا گرے، آنسیں کیا۔
 جذباتی آواز میں کہتا چلا گیا۔

ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن اس
 وقت غور کرنے والی بات یہ ہے کہ
 ریڈ یو یا ٹیپ پر کوئی باقاعدہ گانا نہیں
 لگا ہوا، بلکہ یہ بے ہنگم سا شور ہے
 جس میں چیخیں بھی شامل ہیں انگریز
 مردوں اور عورتوں کی چیخیں جو ناچھتے

ہوئے ان کے منہ سے نکلتی ہیں، سوال
یہ ہے کہ یہ کیسے شوقین ہیں جو اس
شور کو سن کر خوش ہو رہے ہیں اور
پھر اس گلی میں وہ کار بھی موجود ہے
جس کی تم لوگوں کو تلاش تھی، اس
کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ عمارت
بھی ہے جس میں پروفیسر اور شائستہ کو
اغوا کر کر کہتے چلے گئے۔ لیکن اس
معاملے سے کیا تعلق؟ فاروق نے سوال
کیا۔

عجیب حمق ہو، اتنا بھی نہیں سمجھتے۔
فرزانہ تملنا کر بولی۔

تم تو عقل مند ہو اور سمجھ چکی
ہو گی، چلو تم ہی بتا دو۔

وہ لوگ ضرور پروفیسر انگل اور شائستہ

پر تشدید کر رہے ہوں گے، اس طرح ان کے منه سے چینیں نکلتی ہوں گی انہوں نے اس خیال سے ریڈیو لگا دیا کہ چینوں کی آوازیں اس میں شامل ہو جائیں اور آس پاس کے رہنے والوں کو کچھ معلوم نہ ہو، لیکن اس شور نے مجھے اس گلی میں داخل ہونے پر مجبور کر کر کامیابی کا زیستہ بن گئی ہے۔ وہ چلے گئے۔

تو پھر دری سس بات کی آئیے ان پر دھاوا بول دیں، پروفیسر انگل اور شائستہ نہ جانے کس حال میں ہوں گے۔ فاروق نے بے چین ہو کر کہا۔

ہاں ٹھیک ہے، ۲۵ میرے ساتھ۔ اکرام تم سڑک پر جاؤ اور پولیس کو اس گلی کی ناکہ بندی کرنے کی ہدایت

کرو، کوئی شخص بھی فرار نہ ہونے پائے، ابھی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اندر داخل ہونے کے امکانات کیا ہیں، تم اس گلی کے آس پاس ہی رہنا، شاید ہمیں کسی سیڑھی یا کند کی ضرورت پڑے۔ انہوں نے کہا اور تین منزلہ عمارت کی طرف بڑھے۔

اس کا صدر دروازہ اندر سے بند تھا اور بہت مضبوط نظر آ رہا تھا، انہوں نے عمارت کے دامن میں باعث دیکھا، لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔

اب ہم کیا کریں؟ انپکٹر جمشید پریشان ہو کر بولے۔
دستک کیوں نہ دی جائے۔ محمود نے کہا۔

وہ لوگ خبردار ہو جائیں گے اور ہو

سکتا ہے خود کو بچانے کے لیے پروفیسر داؤد اور شائستہ کو ڈھال بنا لیں۔ انپکٹر جمیلہ بولے۔

تو پھر اس کی صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے۔ اچانک فرزانہ نے کہا۔

مجھے پہلے ہی امید تھی، اس موقع پر فرزانہ ترکیب بتائے گی۔ فاروق مسکرا یا۔

یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں۔ انپکٹر جمیلہ جھلا اٹھے ہاں فرزانہ ترکیب بتاوے، جلدی کرو۔

دوسری گلی میں اس مکان کی پشت پر لگنے والا مکان ہو گا، ہم اس کے ذریعے اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تمہارا مطلب ہے، اس کی چھت کے ذریعے۔ انپکٹر جمیلہ بولے۔

بھی ہاں۔ اس نے کہا۔

اس امکان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے، تم تینوں بیہیں ٹھہرو، میں اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں، اگر اوپر پہنچ گیا تو پھر پہلے نیچے آ کر دروازہ کھولوں گا اور تمہیں ساتھ لے کر اوپر جاؤں گا، تم میں سے ایک اس دوران سڑک پر جائیں کر اکرام کو ساری صورت سمجھا آئے، تاکہ وہ بھی تیاری کر لے۔

انہوں نے کہا اور دوسری گلی میں جانے کے لیے سڑک کی طرف مڑ گئے، یہ وہ گن پچے تھے کہ مکان کون سے نمبر پر ہے، دوسری گلی کے مکان گنتے ہوئے وہ ایک مکان کے سامنے رک گئے، دستک کے جواب میں ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا۔

انہوں نے اپنا تعارف کرنے کے بعد

مختصر ترین الفاظ میں اسے بتایا کہ وہ
کیا چاہتے ہیں، وہ فوراً ہی مدد کے لیے
تیار ہو گیا اور انہیں لے کر چھٹ پر
آیا۔ لیکن یہ مکان دو منزلہ تھا۔ جب
کہ مجرموں کا مکان تین منزلہ تھا، اس
مسئلے کا حل سیری ٹھیکے ذریعے نکالا گیا،
نوجوان نے لکڑی مکان کی چھٹ پر پہنچ
گئے، شور ان کے کانوں سے بدستور
ملکرا رہا تھا، اچانک شور رک گیا
اور موت کی سی خاموشی چھا گئی۔
انپکٹر جمشید کو یہ خاموشی بہت خوفناک
�گی، وہ تیزی سے زینے کی طرف
بڑھے۔



میری بچی کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لو، ورنہ میں تمہیں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔ پروفیسر داؤد جھلا کر بولے۔ اگر اس کے منہ پر ہاتھ ہٹایا گیا تو یہ پھر تمہیں بتانے سے روکے گی۔

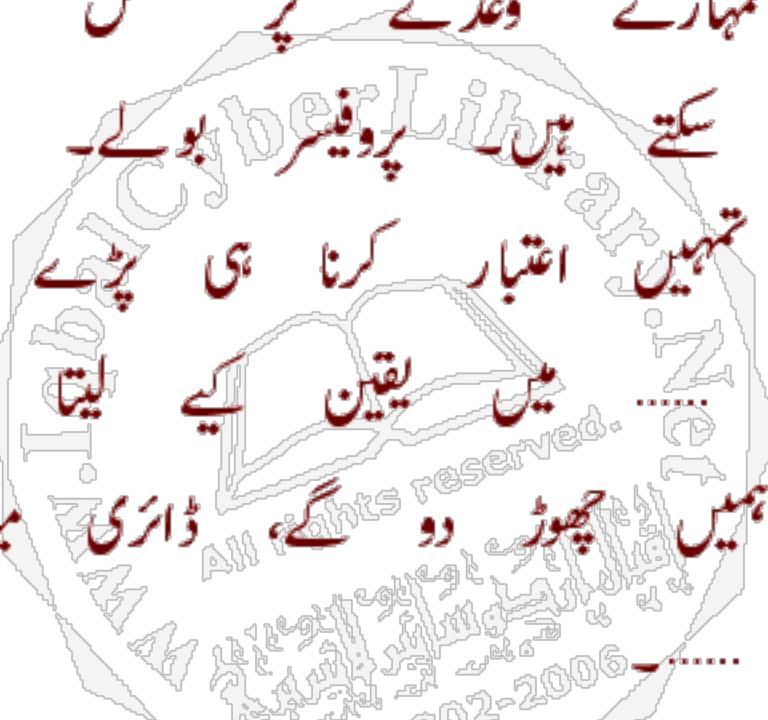
لیکن میں اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ پروفیسر داؤد بولے۔ بہت اچھا جھانگیر..... اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لو..... باس نے کہا اور جھانگیر نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

ابو! آپ بے شک انہیں ڈاری کا پتا بتا دیں، لیکن پہلے میری ایک بات سن لیں۔ شائستہ نے ہاتھ ہٹتے ہی کہا۔ کہو بیٹی۔ پروفیسر جلدی سے بولے۔

ابو! اگر آپ نے ان لوگوں کو ڈاری کا پتا بتا دیا، تو کیا یہ لوگ ہمیں زندہ چھوڑ دیں گے، آخر اس بات کی کیا ضمانت ہے، میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ یہ ہم دونوں کو جان سے مار دیں گے، کیونکہ پہلے ہی انکا ذاکر کو قتل کر چکے ہیں اور جب مرنا ہی ہے تو قوم اور ملک کو فائدہ پہنچاتے ہوئے کیوں نہ مرتیں، کم از کم اس ڈاری کا پتا کیوں بتائیں۔ شائستہ کہتی چلی گئی۔

بات تو تمہاری بہت معقول ہے بیٹی، لیکن میں کیا کروں، تم پر یہ ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ پروفیسر درد بھری آواز میں بولے۔

تو پھر ان سے ضمانت مانگئے کہ یہ ہمیں زندہ چھوڑ دیں گے۔ شائستہ بولی۔

ہوں بولو، تم لوگ اس بات
کے جواب میں کیا کہتے ہو۔
ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ڈائری ملتے
ہی تم دونوں کو چھوڑ دیں گے۔
ہم تمہارے وعدے پر کس طرح
یقین کر سکتے ہیں۔ پروفیسر لبر لیب - ہماری
زبان پر تمہیں اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔
بہت اچھا ہمیں یقین کیے لیتا
کہ تم ہمیں چھوڑ دو گے، ڈائری میرے
گھر کے
ایک منٹ ابو! ایک بار پھر سوچ
لیجئے، کیا آپ کو ان کے وعدے پر
اعتبار ہے۔ شائستہ تڑپ کر بولی۔
ان حالات میں میں اور کر بھی
کیا سکتا ہوں، تم اب کچھ نہ کہنا ،
سنو، ہستر ڈائری میری کوٹھی کے با
ابھی ان کے منه سے یہ الفاظ


نگلے ہی تھے کہ انہوں نے دھم کی آواز سنی، وہ سب چونک اٹھے۔ پھر باس نے پستول شائستہ کی طرف تاں کر کھا۔

تمہیں صرف تین سیکنڈ دیئے جاتے ہیں، تیرے سکنڈ پر تمہارے منہ سے ڈاری کا پتا نکلا چاہیے۔ باور پچی خانے میں چینی کے ڈبے کے اندر، داؤد بولے۔

اس کے ساتھ ہی دروازے پر پوری طاقت سے ٹھوکر ماری گئی اور انپکٹر جمشید دونوں ہاتھوں میں پستول تھامے اندر داخل ہوئے۔

انگل ! زندہ باد۔ شائستہ حلق پھاڑ کر چلا اٹھی۔



ڈائری کا اچار

ایک لمحے کے لیے پورے کمرے میں
سب ساکت رہ گئے، ان کی نظریں انپکٹر
جمشید پر جم گئیں۔ باس تو انہیں اس
طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا
جیسے کمرے میں کوئی بھوت گھس آیا
ہو۔

”تم سب لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا
میں“ انپکٹر جمیلہ سے سرد آواز
کہا۔

تم اندر کس راستے سے آئے۔ باس
نے حیرت زدہ لمحے میں کہا اور ہاتھ
اوپر اٹھا دیئے۔ چھت کے راستے۔ انپکٹر
جمشید مسکرائے۔

ابا جان! کیا ہم بھی اندر آ جائیں۔
باہر سے آواز آئی۔ ہاں! آ جاؤ
حالات قابو میں ہیں۔ انپکٹر جمیلہ بولے۔

بہت خوب! فرزانہ کی آواز آئی اور
تینوں اندر داخل ہوئے۔

اب پہلے تم پروفیسر صاحب اور
شائستہ کو کھول دو اس کے بعد انہیں
باندھنے کا کام کرنا ہے۔ انسپکٹر جمیلہ
بولے۔

یہ کام تو ہمیں ہر بار ہی
پڑتا ہے۔ فاروق نے منه بنایا اور شائستہ
کی طرف بڑھا۔ محمود پروفیسر داؤد
رسیاں کھول رہا تھا۔
معاف کیجئے انگل ہمیں آنے میں
کچھ دیر ہو گئی۔ اس نے کہا۔ اب
بھی بہت وقت پر آئے ہو، ورنہ انہوں
نے تو ڈائری کا پتا بتا دیا تھا۔ شائستہ
نے جلدی سے کہا۔ کیا کہا۔ پتا بتا
دیا تھا۔ محمود کے لمحے میں حیرت تھی۔
ہاں! شائستہ بولی۔

بیٹی تمہیں یاد ہے میں کیا بتایا
تھا۔ پروفیسر مسکرائے۔

جی ہاں! آپ نے بتایا تھا، ڈائری
باورچی خانے میں چینی کے ڈبے میں
چینی کے نیچے موجود ہے۔ شائستہ نے
منہ بنایا۔

تو پھر کیا ہمارے باورچی خانے
میں کوئی چینی کا ڈبہ موجود بھی ہے؟
پروفیسر مسکرائے اور شائستہ چونکہ اس
کے منہ سے بکالا۔
اوہ..... ہم تو چینی مرتبان میں رکھتے
ہیں، تو کیا ڈائری مرتبان میں ہے۔

نہیں! اس میں بھی نہیں ہے، بلکہ
باورچی خانے میں ہے ہی نہیں۔ انہوں
نے شوخ لمحے میں کہا۔

بہت خوب! میں دراصل انہیں دھوکا
دینے کی کوشش میں تھے۔ انپکٹر جمیلہ

مسکراتے۔

ہاں! تاکہ کچھ مہلت مل جائے، میں
جانتا تھا، تم پہنچنے والے ہو گے۔

خدا کا شکر ہے، آپ نے انہیں
غلط پتا بتا دیا تھا، ورنہ میں آپ سے
بہت دنوں ناراض رہتی۔ شاشستہ نے کہا۔

بیٹی میں وقت گزار رہا تھا اور اگر
میں جمیلہ کی طرف سے مایوس ہو جاتا
تو تب بھی انہیں کچھ بتاتا انہوں
نے کہا۔ بہت خوب انپکٹر جمیلہ بولے۔

اتی دیر میں دونوں کو کھول دیا گیا
اور اب وہ تینوں نقاب پوشوں کی طرف
بڑھے، انپکٹر جمیلہ نے نقاب پوشوں کو
دیوار کی طرف منہ کر کے ہاتھ پیچھے
کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوراً تعییل
کی اور تینوں نے ان پانچوں کو چند
منٹ کے اندر باندھ دیا، پھر محمود

باس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ اور
 اب ان کے کرتا دھرتا کی باری ہے۔
 جو نبی وہ اس کے نزدیک پہنچا، اس
 نے جھپٹ کر اس کے دونوں ہاتھ
 کلاسیوں سے پکڑ لیے اور اپنے آگے²
 کرتے ہوئے بولا۔

خبردار انپکٹر پستول چینک رو ،
 ورنہ میں اس کے بازو کلاسیوں سے
 توڑ دوں گا، تم ہمیں جانتے
 ہاتھوں میں کتنی طاقت ہے، اگر یقین
 نہیں آتا تو اپنے بیٹے سے پوچھ لو۔

انپکٹر جمیلہ نے محمود کی طرف دیکھا
 اور سمجھ گئے کہ وہ سخت تکلیف میں
 ہے، انہوں نے فوراً پستول دور چینک
 دیئے، باس نے محمود کے دونوں ہاتھوں
 کو ایک ہاتھ میں تھاما اور دوسرے سے
 اپنا پستول نکال لیا، اس کے بعد محمود

کو چھوڑتے ہوئے کہا۔

اب تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔
 یہ سب کچھ چند سینڈ کے اندر ہو
 گیا تھا، ان کے چہرے لٹک گئے، لیکن
 انپکٹر جمیلہ اب بھی مسکرا رہے تھے۔
 محمود! ہم تمہیں اتنا کمزور خیال نہیں
 کرتے تھے۔ فاروق نے منه بنا کر کہا۔
 تو پھر کتنا خیال کرتے تھے۔
 کبھی بتایا کیوں نہیں۔ محمود نے چڑھ کر
 فاروق ٹھیک کہہ رہا ہے۔

 تم نے اس وقت بہت مایوس کیا ہے۔
 فرزانہ بولی۔

تم دونوں کا خیال غلط ہے، محمود کا
 کوئی قصور نہیں، معلوم ہوتا ہے، یہ شخص
 غیر معمولی طور پر طاقت ور ہے۔ انپکٹر
 جمیلہ بولے۔

ہاں تو پروفیسر ڈائری کہا ہے۔

باس نے پر غور لجھے میں کہا۔

میں نہیں بتاؤں گا۔ انہوں نے کہا۔

تمہارے تو فرشتے بھی بتائیں گے۔

باس نے کہا۔

تو پھر انہی سے پوچھ لو۔ پروفیسر

داود کی بجائے فاروق تملک کر بولا۔

میں اکیلا تم سب سے سمجھ لوں

گا۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔

ہمیں یہ بتا دو کہ اس ڈائری کا تم کیا

کرو گے۔ اچار ڈالوں گا۔ اس نے منہ

بنایا کہا۔۔۔ بھی وہ ! ڈائری کا اچار

..... بھی کتنا لذیذ ہوتا ہو گا جب

تیار ہو جائے، ہمیں بھی دعوت دے

دینا۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔ بکو

مت۔ باس نے جھلا کر کہا۔

ہائیں! یہ میں بک رہا ہوں، تمہیں

نے تو اس اچار کا ذکر کیا تھا۔ تم

خاموش نہیں رہ سکتے۔ اس نے فاروق کو
کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔
ہاں! رہ سکتا ہوں۔ فاروق مسکرایا۔
حد ہو گئی۔ اس کے منہ سے نکلا۔
ہو گئی ہو گی، مجھے تو پتا نہیں۔
فاروق بولا۔

بھی فاروق ذرا کام کی بات
کر لینے دو۔ انپکٹر جمیلہ نے
کر کہا۔ جی بہت اچھا! جب آپ اس
سے کام کی بات کر کر چکیں تو پھر بتا
دیجئے گا، اس کے بعد میں اس سے
بات کر لوں گا۔

بات تو میں بعد میں کروں گا، تم
ذرا دھر آؤ۔ باس نے فاروق سے کہا۔
کیوں کیا کام میں کوئی بات کہنے
کا ارادہ ہے۔ فاروق مسکرایا۔ ہاں!
ایک بات کہنی ہے۔ بہت اچھا، میں تم

سے ڈرنے والا نہیں۔ یہ کہہ کر فاروق اس کی طرف بڑھا۔ انپکٹر جمشید اسے روکتے ہی رہ گئے، لیکن اتنی دیر میں باس فاروق کا ہاتھ تھام چکا تھا، اسے اپنی کلائی ٹوٹی محسوس ہوئی، اور جان نکلتی محسوس ہوئی، اس وقت انہوں نے محسوس کیا، محمود کیوں بے بس ہو گیا تھا۔

کیا توڑنے کا ارادہ ہے۔ اس نے بمشکل کہا۔ نہیں تم میرا مذاق اڑا رہے تھے نا تمہیں اپنی طاقت دیکھا رہا ہوں۔ اس نے غرا کر کہا۔ بھی اگر طاقت دکھانے کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھے دکھاؤ، بچوں پر کیا آزماء رہے ہو۔ انپکٹر جمشید نفس کر بولے۔ باس نے فاروق کا ہاتھ ایک دم چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا فرزانہ کے

پاس چلا آیا۔

تم اس کے پاس جانے کی حماقت نہ کرنا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

ہنس موقع ملا تو ضرور جاؤں گی اور اسے ناکوں پھنے چبا کر آؤں گی فرزانہ نے منہ بنایا۔ بھی اسے ناک سے پھنے چبانے نہیں آتے۔ فاروق جلدی سے بولا اور پھر وہ جھونک اٹھے۔ باس نے انسلکٹر جمیلہ سیرین کو گھورتے ہوئے پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں تمہیں اپنی طاقت ضرور دکھاؤ گا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ان پر چھلانگ لگا دی۔ انسلکٹر جمیلہ نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو پھرتی سے ایک طرف کھک گئے اور وہ جھونک میں آگے بڑھ گیا، پھر جھلا کر پلٹا تو انہیں اپنے

سامنے پایا۔

لڑنے جھگڑنے سے پہلے یہ بہتر ہے کہ تم میری کلائیاں پکڑ کر توڑنے کی کوشش کرو۔ انپکٹر جمشید نے تجویز پیش کی اور اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ چند لمحے تک انہیں گورتا رہا اور پھر آگے بڑھ کر ان کی کلائیاں تھام لیں، اس نے محمود اور فاروق کی طرح ان کی کلائیوں پر بھی زور لگایا، دوسری طرف انپکٹر جمشید اپنے جسم کی طاقت بازوؤں میں سمیت چکے تھے، چند لمحوں تک زور آزمائی ہوتی رہی اور پھر باس نے جھنجھلا کر ان کی کلائیاں چھوڑ دیں، ساتھ ہی دائیں ہاتھ کا مکان کے کنپٹی پر رسید کر دیا جو ان کے سر کے اوپر سے گزر گیا، کیونکہ وہ نیچے جمک گئے تھے اور اسی وقت انہوں

نے اس کا دایاں ہاتھ کلائی پر سے
پکڑ لیا دوسرا لمبے حیرت میں ڈال
دینے والا تھا انپکٹر جمیلہ نے زور
لگایا اور کڑک کی آواز ابھری، ساتھ ہی
باس کے منہ سے ایک زور دار چیخ نکل
گئی۔

اس کی کلائی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں،
وہ مارے درد کے فرش پر لوٹنے لگا،
اچانک دروازے پر دستک جاؤ ہوئی۔ آ
اکرام۔ انپکٹر جمیلہ بولے۔
اکرام اندر داخل ہوا اور کمرے کا
منظر دیکھ کر بھونپکا رہ گیا۔ کیا میں
اسے بھی لے آؤں۔ اکرام نے پوچھا۔
ابھی نہیں پہلے ان کے نقاب
نوچ لو۔ انپکٹر جمیلہ نے پانچوں نقاب
پوشوں کی طرف اشارہ کیا اکرام
نے آگے بڑھ کر ان کے نقاب اتارنے

شروع کر دیئے، ہر بار وہ چونکتا رہا
..... اور پانچویں کا نقاب اتارنے پر تو
اس کے منه سے حیرت زدہ آواز میں
نکل گیا۔

..... ارے

پانچواں نقاب پوش شاروپ تھا، جس کا
لاکٹ انپکٹر جمیلہ کی لاش کے قریب ملا
تھا، باقی چار نقاب پوش بھی عادی مجرم
اور کئی بار کے سزا یافتہ تھے۔
تو تم اس شخص کے لیے کام کر
رہے تھے۔ انپکٹر جمیلہ نے اس سے
پوچھا۔

ہاں! اس نے بھی بھی آواز میں
کہا۔

تو پھر شیخ سرفراز کے ہاں کام
کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے
پوچھا۔

شیخ سرفراز علی کون؟ محمود نے پوچھا،
 کیونکہ انہیں اس کے بارے میں کچھ
 معلوم نہیں تھا۔ انپکٹر جمیلہ نے مختصر
 لفظوں میں شارو لاکٹ ملنے اور شیخ
 سرفراز علی کے گھر جا کر ان سے
 ملاقات کرنے کا حال کہہ سنایا۔ یہ
 بھی بتایا کہ شیخ سرفراز علی ایک ریٹائرڈ
 فوجی ہے۔
 تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اب یہ
 شریفانہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی
 بجائے اکرام نے کہا۔
 اچھا ٹھیک ہے اکرام اب تم
 اسے لے آؤ۔
 جی بہتر۔

یہ کہہ کر اکرام کمرے سے نکل
 گیا اور وہ سوچتے ہی رہ گئے کہ اکرام
 نہ جانے کے لینے گیا ہے، تھوڑی دیر

بعد وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں کتنے کی زنجیر تھی، وہی کتا کمرے میں کھڑا تھا جو پروفیسر ذاکر کی لاش کے نزدیک بیٹھا رو رہا تھا، اچانک وہ زور زور سے بھونکنے لگا، انہوں نے اس کے بھونکنے کی آواز پہلی مرتبہ سنی تھی
 پھر اس نے شارو پر چھلانگ لگائی، لیکن اکرام نے زنجیر کھینچ کر شارو پر جھپٹ پڑنے کے لیے پورا زور لگا نے لگا اور اکرام کے لیے اسے روکے رکھنا مشکل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر زنجیر انپکٹر جمیلہ نے تھام لی۔

تو پروفیسر ذاکر کو تم نے قتل کیا۔ انہوں نے کہا۔ تمہارا لاکٹ بھی تھا۔ وہاں ملا تھا۔

یہ غلط ہے۔ شارو چلایا۔

اگر یہ غلط ہے تو کتنا کمرے میں

موجود تمام لوگوں میں سے صرف تم پر ہی کیوں جھپٹ رہا ہے۔ انپکٹر جمیلہ
نے پوچھا۔ یہ بھی بتا دوں کہ تم لوگوں
نے تھانے دار کو رشوت دے کر یہ
کہنے پر آمادہ کیا تھا کہ لاکٹ کی
گمشدگی کی رپورٹ دوں پہلے لکھوائی
جا چکی ہے، حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہی^{verifi}
تم لکھوا کر ۲۷ تھے، اب کہو، کیا
کہتے ہو، اس کی زنجیر
دوں انہوں نے کہا۔
نہیں نہیں پروفیسر ڈاکر کو میں
نے ہی قتل کیا تھا اور بس کے کہنے
پر قتل کیا تھا بس کو یہی حکم
ملا تھا انہیں ڈائری کا پتا پروفیسر
ڈاکر کے اسٹٹنٹ ریاض شاہد نے بتایا تھا
اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ جب
دوسروں کو زہریلی گیس سے بے ہوش

کیا جائے تو ساتھ میں اسے بھی بے
ہوش کر دیا جائے تاکہ اس پر کسی
کو شک نہ ہو۔ وہ گھبراہٹ کے عالم
میں بتاتا چلا گیا۔

سوال تو یہ ہے کہ یہ باس کون
ہے؟ انپکٹر جمیلہ بولے
با۔ باس آپ کے سامنے ہے۔
شارو نے بوکھلا کر کہا۔
تو تم اپنے منہ سے نہیں بتاؤ گے
کہ یہ کون کون سے خیر میں بتائے
دیتا ہوں یہ شیخ سرفراز علی ہے،
وہی جس کے ہاں آج کل تم ملازمت
کر رہے ہو۔ کیا !!

اکرام کے منہ سے حیرت زده انداز
میں لکا ، محمود ، فاروق اور فرزانہ بھی
دھک سے رہ گئے۔ اگرچہ شیخ سرفراز علی
کا ذکر انہوں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے

ہی سنا تھا پھر اکرم نے اٹک اٹک کر
کہا۔

لیکن لیکن شیخ سرفراز علی سے
تو ہم مل چکے ہیں اس کی شکل
تو اس سے نہیں ملتی۔

ہاں! شکل نہیں ملتی، اس
سے کیا ہوتا ہے یہ شیخ سرفراز
ہی اور اگر تمہیں یقین نہیں 2 تا
تو میں ابھی ثابت کرن دیتا ہوں۔
یہ کہہ کر انپکٹر جمشید لپکتے ہوئے
باس پر جھکے اور اس کے چہرے منڈھی
جھلی سی اتار پھینگی۔ اکرم نے وسل بجا
دی اور بھاری بوٹوں کی آوازیں گونجنے
لگیں۔



خونی بھی۔ کارآمد بھی

مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھڑیاں ڈال دی گئیں، لیکن ابھی تک ڈائری کا معاملہ جوں کا توں تھا، اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا۔

پروفیسر صاحب، جہاں تک میرا خیال ہے، اس ڈائری میں کسی ایجاد کا فارمولہ ہے۔ انپکٹر جمیشید نے کہا۔

تمہارا خیال بالکل صحیح ہے میں پروفیسر ڈاکر کی کوئی کے اندر رکھ گیا تو وہ ڈائری جیب میں لیے بیٹھے تھے، انہوں نے میرے بیٹھتے ہی ڈائری نکال کر میرے حوالے کر دی، اور پھر فوراً وہاں سے روانہ ہونے کے لیے کہا، باہر نکلتے نکلتے انہوں نے اشارۃ بتا دیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی ایجاد کا فارمولہ درج ہے دراصل مسئلہ یہ ہے کہ

آج سے پچاس یا سانچھے اس کے کچھ عرصہ بعد دنیا میں خوراک کے ذخیرے بالکل ختم ہو جائیں گے، آبادی اس قدر بڑھ جائے گی کہ دنیا بھوکوں مرنے لگے گی، پیداوار کسی طرح بھی نہیں بڑھائی جا سکے گی، اس وقت دنیا بھر کے سامنے دان پریشان ہوں گے کہ کیا کریں، ہر ملک کی حکومت کو اپنے عوام کی پڑی ہو گی، پروفیسر ذاکر نے اس وقت کو بھائپ لیا تھا اور وہ اس جگتوں میں تھے کہ کوئی ایسی چیز ایجاد کر ڈالیں جو آنے والے وقت میں ہمارے کام ۲ سکے، وہ تجربات کرتے رہے، کرتے رہے اور آخر انہوں نے ایک فارمولہ ایسا تیار کر ہی لیا کہ اس کے ذریعے فصلوں کو دس گنا تک بڑھایا جا سکتا ہے تیار ہونے والی

اس دوائی کو بیجوں پر چھڑک کر بو دیا
جائے تو نصل پہلے کے مقابلے میں دس
گنا زیادہ ہو گی اور ایک کھیت پر
صرف پانچ روپے کی دوائی کام کر
جائے گی۔

اوہ! اتنا سستا اور آمد نہ
ہم تو اسے خونی ایجاد خیال کر رہے
تھے۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا
ایجاد تو یہ خونی ہی ہے
اس کی حفاظت کے لیے حکومت کو نہ
جانے کیا کیا پاپڑ بنیے پیس گے۔ انپکٹر
جمشید بولے۔

کیا مطلب؟ وہ چونکے۔

مطلوب یہ کہ نہ جانے کتنے ممالک
کے جاسوس اس ایجاد کو اڑانے کے چکر
میں پڑ جائیں گے ابھی تک تو
صرف ایک ملک کے جاسوسوں کو خبر

ہوئی ہے اور وہ بھی ان کے استثن کے ذریعے، ابھی اسے بھی تو گرفتار کرنا ہے، اکرام اس کی گرفتار کے لیے یہیں سے کچھ آدمی روانہ کر دو۔ انہوں نے کہا۔

بھی بہت بہتر۔
 ابا جان! سوال یہ ہے کہ پروفیسر
 ڈاکٹر کا استثن شیخ سرفراز تک کیسے جا
 پہنچا۔ فرزانہ نے پوچھا۔ یہ تو بہت سیدھی
 سی بات ہے، شیخ سرفراز علی دشمن ملک
 کا ایجنت ہے، یہ انہی چکروں میں رہتا
 ہے، جو آدمی لاپچی یا کمزور نظر آیا
 ہے، اسے ورگلا کر معلومات حاصل کرنے
 کے چکر میں رہتا ہے، اس طرح یہ
 ریاض شاہد سے بھی مل بیٹھا اور اس
 نے محسوس کیا، ایک لاپچی آدمی ہے،
 آسانی سے خریدا جا سکتا ہے، بس اس

نے اس سے معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں اور اس طرح اسے اس فارمولے کے بارے میں معلوم ہوا۔ وہ بتاتے چلے گئے۔

لیکن شیخ سرفراز تو ریٹائرڈ فوجی ہے، آخر یہ دشمن کا آجیخت *Her Library* طرح بن گیا۔

یہی تو ہماری بدقتی ہے میں بھی چند ایسے لوگ شامل ہیں، جنگ میں ہمیں دراصل ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے تو نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اوہ! ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اور وہ اس خونی ایجاد کے بارے میں سوچنے لگے، جس کی حفاظت بہت مشکل کام تھا اور یہ مشکل حکومت کو پیش آنے والی تھی۔ آخر فرزانہ نے

سوال پوچھ ہی لیا۔ کیا ہم اس ایجاد کی حفاظت کر سکیں گے۔

ہاں! امید تو ہے ، اس سلسلے میں میرے ذہن میں چند تدابیر ہیں ، میں وہ تدابیر حکام کو بتا دوں گا، انہوں نے عمل کیا تو اس کی حفاظت ہوتی رہے گی، اور اس پر عمل بھی شروع ہو جائے گا، تاکہ ہم ابھی دس کو گنا غلم پیدا کر کے فرزانی بحراں کو حل کر سکیں، اور اپنے مسلم ممالک کی مدد بھی کر سکیں۔ انہوں نے کہا۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کے ذہن میں کچھ تدابیر آ گئی ہیں، ورنہ ہمیں فرزانہ سے سے مدد لینا پڑتی۔ فاروق نے مخصوصانہ انداز میں کہا اور سب مسکرانے لگے۔

ختم شد THE END-----